$\frac{27}{8}$

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماھنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۷ — ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
شمارہ ۸ — مئی ۱۹۹۲ء

بیاد: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی
ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ / ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ -/۶۰ روپے فی پرچہ -/۶ روپے بیرون ملک بحری ڈاک -/۸ پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک -/۱۲ پونڈ
سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

افغان مجاہدین کی فتح مبین اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رح

وزیر اعظم پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف نے ۵ رمئی کو اپنے ٹی وی اور ریڈیو کے نشری خطاب میں قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رح اور ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق کے جہاد افغانستان میں تاریخی کردار پر اعتراف عظمت و کمال سمیت خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

"افغانستان اور پاکستان کے ممتاز علماء اور رہنماؤں خصوصاً اکوڑہ خٹک کے مولانا عبدالحق مرحوم کے (جہاد افغانستان میں) کردار کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں ان کی تقلید میں ان کے صاحبزادے (مولانا سمیع الحق) کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں"۔

جہاں تک غیرت و حمیت کی سرزمین افغانستان کے افغان فرزندوں کی بات ہے تو ان غیور مجاہدین اور جیالے مسلمانوں نے بالآخر اپنے ناقابل تسخیر جذبہ ایمانی کی قوت سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر آج بھی ابراہیم کا ایمان ہو تو آگ انداز گلستان پیدا کر سکتی ہے۔ محو تماشائے لب بام رہنے والی دانشوری کے مقابلے میں محمد عربی ؐ کے ان دیوانوں نے آتش نمرود میں بے خطر کود کر ایک دنیا کو حیرت زدہ کر دیا اور دکھا دیا کہ وہ آج بھی حضرت خالد بن ولید اور حضرت علی مرتضیٰ کی داستانوں اُحد، تبوک حنین، خندق اور بدر کے تاریخی معرکہ لئے جہاد کو پھر سے جیتی جاگتی حقیقتوں کا روپ دے سکتے ہیں۔ قرآن کا اٹل فیصلہ

كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله اس حقیقت واقعہ کا عملی مظہر ہے۔

کمیونسٹ روس جیسی غاصب جابر اور بے رحم عالمی طاقت کو جو ترکستان کے مسلم علاقوں کو ہڑپ کر جانے ہنگری، چیکوسلواکیہ اور پولینڈ پر اپنی گرفت قائم رکھنے کے لیے فوج کشی کا وسیع تجربہ رکھتی تھی جس نے کسی بھی علاقے پر یلغار کی تو اس کا مقابلہ ناقابل تصور ہو گیا مگر جدید جنگ کے رموز سے ناآشنا اور غیر تربیت یافتہ مجاہدین نے اسے جس شرمناک ہزیمت اور شکست و ریخت سے دوچار کیا ہے وہ حریت انسانی کی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے کبھی بھی بھلایا نہ جا سکے گا۔

مجاہدین افغانستان کی فتح مبین کے اس عظیم الشان واقعہ میں دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے یہ سبق موجود ہے۔

کہ ان کی طاقت کا اصل سرچشمہ صرف اور صرف ان کا عقیدۂ توحید اور دین اسلام ہے ان کے لیے دنیا میں عزت اور وقار کا راستہ صرف اسی عقیدے سے مکمل وابستگی اختیار کیے رہنا ہے یہی چیز انہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا سکتی ہے اور ان کے لیے دنیا کے ہر خطے میں کامرانیوں کی راہیں کھول سکتی ہے۔

مجاہدین افغانستان نے جو دنیائے انسانیت کی تاریخ کا بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے درحقیقت اس نے ایک ارب مسلمانوں ہی کا سر فخر سے بلند نہیں کیا بلکہ دنیا کے تمام حریت پسندوں کو بڑی سے بڑی طاقت کے مقابلے میں سر اٹھا کر چلنے کا حوصلہ عطا کیا ہے اور سامراجی طاقتوں کی، خواہ وہ کسی رنگ اور کسی شکل میں ہوں ہمتیں پست کر دی ہیں بلاشبہ تمام مسلمانان افغانستان خصوصاً ان کے جری مجاہدین اور علم و عمل صالح اور شجاعت و فراست ایمانی کی دولت سے مالا مال ان کی علمی و دینی قیادت اس فقید المثال کامیابی پر بیش از بیش مبارکباد کے مستحق ہیں اب افغان قیادت کا فرض ہے کہ وہ حکمت عملی اور دانشمندی سے اتحاد کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے کردار کا مظاہرہ کرے کہ مستقبل کا افغانستان ساری مسلم دنیا کے لیے رہنمائی اور قیادت فراہم کرے اور صحیح معنوں میں ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے تمام عالم اسلام کیلئے قابل تقلید مثال بن سکے۔

تاہم ناسپاسی اور ناحق شناسی ہوگی کہ فتح و کامرانی اور مسرت و شادمانی کے اس موقع پر ان شخصیات کو بھلا دیا جائے جو خود افغان قیادت، افغان علماء اور عام مجاہدین اور تاریخ کی سچی شہادت کے آئینے میں اس عظیم الشان کامیابی کے ہیرو ہیں بلاشبہ سیاسی اعتبار سے یہ شہید ضیاء الحق کی دور اندیشی، تدبر و فراست، قوت فیصلہ، حکمت عملی اور کامیاب خارجہ پالیسی تھی مگر عملی اور افرادی قوت مہیا کرنے کے اعتبار سے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ کا جذبۂ ایمانی، جوش جہاد، عزیمت عمل اور ولولۂ تازہ تھا جنھوں نے معرکہ کارزار کے سپاہی، محاذ جہاد کے جرنیل، جذبۂ جہاد کی انگیخت کرنے والے خطیب، دنیائے انسانیت کو جھنجھوڑ کے رکھ دینے والے حافظ اور اقبال کے بے تیغ لڑنے والے مومن سپاہیوں کی صورت میں کثیر افرادی قوت مہیا کی جس کی بناء پر حریت انسانی کی تاریخ کے اس سنہرے باب کا رقم کیا جانا ممکن ہو سکا۔

مجاہدین افغانستان کی بھرپور حمایت و تائید، جہاد افغانستان میں عملی شرکت اور افغان سرحد کے قریب واقع ہوتے اور میزائل اور بموں کا قریبی ہدف ہونے کے باوجود دارالعلوم حقانیہ کو پوری طرح جہاد میں جھونک دینے کا یہ فیصلہ یقیناً نہایت مشکل فیصلہ تھا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ نے آج سے ۱۳ سال قبل جہاد کے آغاز کار میں اکوڑہ خٹک کی عیدگاہ کے ایک لاکھ کے قریب حاضرین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوتے جب افغان جہاد کی حمایت کا اعلان کیا اور پھر دارالعلوم میں مجاہدین کی سرپرستی، معاونت اور افغانستان میں ان کے کام کرنے کیلئے

لائحہ عمل مرتب کیا تو ہمارے بہت سے دانشور اور سیاست دان اسے مسلسل غیر سنجیدہ اور احمقانہ اقدام قرار دیتے رہے دیوانگی اور جنون کے فتوے لگنے لگے۔ اغیار تو پھر اغیار تھے بعض اپنوں نے بھی حضرتؒ کے عمل کو ایک خندہ استہزاء سے ٹھکرا دیا۔

یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے نامور سیاست کار اور چنگادری حکومت پاکستان پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کو تسلیم کر کے روسی جارحیت کو سند جواز عطا کر دے ادھر بہت سے نامور علماء، بعض اداروں کے مشاہیر مہتمین اور سیاسی قد کاٹھ کی اہم ترین شخصیات نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کو کے جی بی را اور خاد کے وحشیانہ مظالم اور اندوہناک تخریب کاریوں کا ہدف بننے، دارالعلوم کے مستقبل کی تاراجی اور عملی طور پر یکہ و تنہا رہ جانے کے اندیشہائے غرق و حق دلاکر انہیں جہاد عزیمت و انقلاب سے روکنا چاہا۔

مگر یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی غیرت ایمانی کا تقاضا اور خالص دینی معاملہ تھا لہٰذا جہاد کی عملی حمایت اور افرادی قوت فراہم کرنے کا فیصلہ ان کے لیے نہایت آسان ہو گیا اور کسی ہچکچاہٹ کے بغیر انھوں نے اپنے کمزور وسائل، نحیف و نزار جسم روس جیسی سپر پاور اور کے جی بی جیسے ظالم اور تیر بہدف کردار ادا کرنے والے عالمی جاسوسی ادارے کی تمام شر انگیزیوں کے باوصف روس کے غلط اقدام کو پوری قوت سے چیلنج کرنے اور عملی طور پر میدان کارزار کے افراد مہیا کرنے اپنے تلامذہ اور دارالعلوم کے فضلاء کو ٹکرا جانے کی ترغیب اور عملاً جہاد شروع کر دینے کا اقدام کر ڈالا۔

چنانچہ ۲۹ اپریل کو جب وزیر اعظم پاکستان حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ اور آئی ایس آئی کے سربراہ سمیت پاک فوج کے سربراہوں، ملک و بیرون ملک کے صحافیوں کے ساتھ سب سے پہلے غیر ملکی وفد کی صورت میں کابل پہنچے تو پاک فوج کے جرنیلوں کو اپنے جائزہ رپورٹ اور وہاں مشاہدۃً یہی معلوم ہوا کہ افغانستان کے ۸۰ فیصد علاقے پر فوجی قیادت کرنے والے جرنیل شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے روحانی فرزند دارالعلوم حقانیہ کے فضلاً ہیں جو بلا کسی تخصیص کے تمام مجاہد تنظیموں میں شریک ہیں تو انہیں بے اختیار گفت و شنید میں اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ واقعۃً یہ دینی مدارس بالخصوص دارالعلوم حقانیہ محض تدریس کا ایک مدرسہ نہیں بلکہ عظیم فوجی چھاؤنی بھی ہے اور اسی سلسلہ میں اس کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا کردار شالی ہے۔

فوجی جرنیلوں کا یہ اعتراف باہمی مذاکرہ اور پھر وزیر اعظم پاکستان کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور ان کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق کے جہاد افغانستان میں تاریخی کردار کو خراج تحسین اور اعتراف عظمت و کمال بھی جرأت و حق شناسی کی ایک تاریخی شہادت ہے اس سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی عظمت میں مزید کوئی اضافہ نہیں ہوا کہ ان کو ایسی کسی بھی سند کی ضرورت نہ تھی وہ جس ذات کے لیے کام کرتے تھے وہ کام بھی جانتی ہے اور نام بھی جانتی ہے بلکہ اس سے خود وزیر اعظم کی صفت حق شناسی کا اظہار ہوا ہے جو بجائے خود ان کے لیے ایک

بہت بڑا اعزاز ہے۔

گو حضرت شیخ الحدیثؒ دارالعلوم حقانیہ، اس کے روحانی ابناء اور فضلاء اور شیخ الحدیث کے جانشین مولانا سمیع الحق کے جہاد افغانستان میں بنیادی مستقل مسلسل اور موثر کردار کو یورپی پروپیگنڈے کا کوئی ادارہ اور مغربی استعمار کی آلۂ کار کسی جماعت یا حزب کی طرح اخبارات پر تسلط اور پریس کوریج کا کوئی ہتھکنڈہ حاصل نہ رہا مگر قلت وسائل اور خودنمائی وخودستائی سے سو فیصد احتراز واجتناب کے باوصف جو لوگ بنیاد کے پتھر بنے اور جن کی عظیم ترمنصوبہ بندیوں، رجال کار کی تربیت اور قربانیوں پر جہاد افغانستان کی عمارت تعمیر ہوئی ان کا عمل اخلاص وہ ذات ضرور جانتی ہے جس کی رضا کے حصول کے لیے یہ سب کچھ کیا جاتا رہا۔

ایسے حقائق اور آفاقی سچائیاں جھوٹے پروپیگنڈے کی یلغار سے کبھی نہیں چھپائی جاسکتیں جس کا واضح ثبوت معاصر عزیز "تکبیر" کراچی کی حالیہ جسارت ہے جسے جہاد افغانستان کی ۱۳ سالہ خونچکاں روئیداد میں جماعت اسلامی اور حکمت یار گلبدین کے سوا کچھ بھی نظر نہ آسکا۔ جسے جمہوریت کی علمبرداری، شورائیت اور ارباب حل وعقد کی اکثریت کی رائے کی ترجیح کے ہمہ وقتی دعووں کے باوصف نہ تو کبھی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق یاد رہے نہ ان کے تلامذہ کا اس انداز سے ذکر ہوا نہ مولانا سمیع الحق اور ان کے مساعی کو خراج تحسین پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوئی اور نہ کبھی "اکوڑہ خٹک والوں" کا کردار ان کے پرچہ میں جگہ پاسکا مگر اب جب "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کی طرح اکوڑہ خٹک والوں کا موثر کردار پوری دنیا پر عیاں ہو کر سامنے آگیا تو ہفت روزہ تکبیر کو بھی اپنا صحافتی حصہ ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہمیں اس سے بحث نہیں کہ انہوں نے کس انداز سے "اکوڑہ خٹک والوں" کا تذکرہ کیا اور ہمیں اس کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں کہ ؎

واذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل

اس کا جواب بھی تو خود معترض کی تقریر میں موجود ہے۔

ع زباں کچھ اور بولتے، پیرہن کچھ اور کہتی ہے

حقائق کیا ہیں؟ گذشتہ تین چار پرچے ہفت روزہ تکبیر کے دیکھ لیجئے منجھے ہوئے تجربہ کار صحافی اور مانے ہوئے قلمکار بھی بے چارے ہزار توجیہات اور تاویلات میں دور کی کوڑیاں ملاتے اور فقط باتیں بناتے نظر آتے ہیں۔

؎ وہ خود بتائیں کہ روشن ہے آفتاب کہاں مجھے یہ ضد بھی نہیں ہے کہ دن کو رات کہوں

معلوم ہوتا ہے کہ بزعم خود اسلامی جمہوریت، اسلامی اخلاق، اسلامی اجتماع اور اتحاد کا علمبردار پرچہ "تکبیر"

بھی حزبی تعصب اور جماعتی فرقہ بندی کی بھینٹ چڑھ گیا ہے ہماری اس تمام تر گذارش کا مقصد یہ ہے کہ تکبیر جیسے دینی اور اسلامی صحافت کے علمبردار پرچے کو گذشتہ ۱۳ سالہ جہاد افغانستان میں " اکوڑہ والوں کا مرکزی بنیادی اور عالمی کردار نظر آنے (جس کا اعتراف انھوں نے اس پرچے شمارہ ۲۱ میں بھی کیا ہے) کے باوجود بھی کبھی از روئے عدل وانصاف یا بہ تقاضائے صحافت ودیانت دو حرف لکھنے اور چھاپنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

مگر آج جب "اکوڑہ والے" کسی عظیم شیطنت، کسی امریکی منصوبہ بندی اور حزبی وجماعتی تعصب کے شیشہ میں نہ اُتر سکے تو تکبیر نے تمام اصولی اور اخلاقی قدروں اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے خواہ مخواہ کچھ کہہ ڈالنا ہی ضروری سمجھا۔ مگر

ع من انداز قدت را مے شناسم

جو اس بات کا بین ثبوت ہے اور جو تمہارے ہاں بھی مسلم حقیقت ہے اور جس حقیقت واقعہ کا اظہار آج تک تم نہ کر سکے کہ " اکوڑہ خٹک والوں " کا جہاد افغانستان میں انقلابی کردار رہا جو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحؒ کے جہادی مساعی کی عظمت، جامعیت، وسعت اور ان کے مسلمہ کردار کی واضح شہادت ہے جسے اپنے تو خیر اپنے رہے پرائے بھی تسلیم کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے جن حالات میں جہاد کی عملی حمایت کا پُرعزم فیصلہ کیا تھا بلاشبہ ایسے ہی فیصلے زندہ قوموں کی تاریخ بناتے ہیں اور ایسے فیصلے کرنے والے تاریخ میں زندہ وجاوید ہو جاتے ہیں، جبکہ بزدلی اور مصلحت کوشی، مفاد پرستی اور جھوٹی شہرت اور ہوس پرستی کی راہیں اختیار کرنے اور اس کے مشورے دینے والے خس وخاشاک کی طرح بے نام ونشان رہتے ہیں۔

عبدالقیوم حقانی

مولانا محمد شہاب الدین ندوی انڈیا

زکوٰۃ اور مصالح عامہ

ایک اہم حدیث اور علمائے امت کا ایک فیصلہ

(۲)

ایک اور سابق شیخ الازہر محمود شلتوت نے فی سبیل اللہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس سے ایسے مصالح عامہ مراد ہیں جن میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کی ملکیت ہوتے ہیں اور ان کی منفعت خلق خدا کے لیے ہوتی ہے۔ ان میں سب سے پہلی اور زیادہ توجہ کے قابل چیز حربی ضروریات ہیں جن کے ذریعہ باغی قوم کی روک تھام کرکے (ملت کے) عزو شرف کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس میں فوجی و شہری شفاخانے اور جنگی سڑکوں کی مرمت وغیرہ بھی شامل ہے اسی طرح اس میں اسلامی داعیوں کی تیاری بھی داخل ہے جو اسلام کے جمال کو ظاہر کرنے، اس کے کلمہ کو بلند کرنے، اس کے احکام کی تبلیغ کرنے اور دشمنوں کو اسلام پر حملہ آور ہونے سے روکنے والے ہوں۔

..... فهی ناحیة (المصالح العامه) التی لا ملك فیها لأحد، والتی لا یختص بالانتفاع بها أحد، فملکها لله، ومنفعتها لخلق الله. وأولاها وأحقها التکوین الحربی، الذی ترد به الامة البغی وتحفظ الکرامة. ویشمل العدد علی أحدث المخترعات البشریة. ویشمل المستشفیات عسکریة ومدنیه، ویشمل الطرق ومد الخطوط الحدیدیه وغیر ذلك مما یعرف أهل الحرب والمیدان. ویشمل الاعداد القوی الناضج لدعاة اسلامیین، یظهرون جمال الاسلام وسماحته وینشرون کلمته، ویبلغون أحکامه، ویتعقبون مهاجمة الخصوم لمبادئه بما یرد کیدهم الی نحورهم .....[1]

مملکت مصر کے سابق مفتی شیخ حسنین محمد مخلوف نے ایک استفتاء کے جواب میں شافعی عالم امام قفال کے حوالے سے فتویٰ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ فی سبیل اللہ عام ہے جس میں تمام امور خیر بشمول تکفین

[1] الاسلام عقیدۃ و شریعۃ محمود شلتوت، ص۱۰۱، دار الشروق قاہرہ۔

موتیٰ اور تعمیر مساجد وغیرہ سب کچھ داخل ہے، جو عامۃ المسلمین کے مفاد میں ہو۔

(الجواب) ان من مصارف الزکوٰۃ الثمانیۃ المذکورۃ فی قولہ تعالیٰ (انما الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الی آخر الآیۃ انفاقہا "فی سبیل اللہ" وسبیل اللہ عام یشمل جمیع وجوہ الخیر للمسلمین من تکفین الموتیٰ وبناء الحصون وعمارۃ المساجد وتجہیز الغزاۃ فی سبیل اللہ، وما أشبہ ذلک مما فیہ مصلحۃ عامۃ للمسلمین، کما درج علیہ بعض الفقہاء واعتمدہ الامام القفال من الشافعیۃ، ونقلہ عنہ الرازی فی تفسیرہ. وھو الذی نختارہ للفتویٰ [۱]

سید قطبؒ تحریر کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ ایک وسیع باب ہے جس میں جماعت کی ہر مصلحت شامل ہو سکتی ہے جس میں کلمت اللہ کا تحقق ہو سکتا ہے۔

"وفی سبیل اللہ".. وذلک باب واسع یشمل کل مصلحۃ للجماعۃ تحقق کلمۃ اللہ [۲]

اب رہے برصغیر پاک وہند کے علماء، تو اس سلسلے میں مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں، " فی سبیل اللہ یعنی جہاد اور مصالح ملکی ہیں"۔ [۳]

مفتی محمد شفیعؒ امام کاسانی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے۔ جیسے دین کی تبلیغ اور تعلیم اور ان کے لیے نشر واشاعت [۴]

مولانا اشرف علی تھانویؒ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۳ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:۔

" ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں"۔ [۵]

علامہ سید سلیمان ندویؒ مذکورہ بالا آیت (بقرہ ۲۷۳) کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:" فقراء میں ان خوددار اور مستور الحال شرفاء کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبرو اور

---

[۱] فتاویٰ شرعیۃ بحوث اسلامیہ: ۱/۲۹۶، مطبوعہ مصر

[۲] فی ظلال القرآن، سید قطب: ۳/ ۱۶۷۰، دار الشروق، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔ [۳] تفسیر حقانی: ۲/۵۰۱، مطبوعہ نور محمد کراچی

[۴] تفسیر معارف القرآن: ۴/ ۴۰۶ - ۴۰۷، مطبوعہ دیوبند۔ [۵] تفسیر بیان القرآن: ۱/ ۲۴۲، مطبوعہ دہلی۔

خودداری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں اور زمین میں (روزی حاصل کرنے کے لیے) چل پھر نہیں سکتے۔ ناواقف ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو کہ وہ حاجت مند ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔[1]

(بقرہ، ۲۷۳)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ بھی عموم کے قائل ہیں۔ چنانچہ موصوف نے روح المعانی اور تفسیر کبیر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ "بعض فقہاء نے یہاں تک توسع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کی جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے"۔[2]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی نہ صرف توسع کے قائل ہیں بلکہ اس میں نظام اسلامی کا قیام بھی شامل قرار دیتے ہیں "راہِ خدا کا لفظ عام ہے۔ تمام وہ نیکی کے کام جن میں اللہ کی رضا ہو اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس حکم کی رو سے زکوٰۃ کا مال ہر قسم کے نیک کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے اور ائمہ سلف کی بڑی اکثریت اسی کی قائل ہے کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی وہ جدوجہد جس سے مقصود نظام کفر کو مٹانا اور اس کی جگہ نظام اسلامی کو قائم کرنا ہو"۔[3]

مولانا امین احسن اصلاحی تحریر کرتے ہیں، "وفی سبیل اللہ، یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوتِ دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم، لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے"۔[4]

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے فی سبیل اللہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے اعلائے کلمۂ حق کے لیے ہوں"۔[5]

---

[1] سیرت النبی، از علامہ سید سلیمان ندوی، ۱۸۲/۵۔ [2] تفسیر ماجدی: ۵۱/۲، دوسرا ایڈیشن مطبوعہ لکھنؤ۔
[3] تفہیم القرآن: ۲۰۸/۲، مطبوعہ رامپور، ۱۹۵۸ء۔ [4] تدبر قرآن: ۱۸۲/۳، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء
[5] ترجمان القرآن: ۲۹۸/۳، مطبوعہ ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔

پھر اس کی تفسیر اس طرح کی ہے، "قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہِ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لیے ہوں "سبیل اللہ" کے کام ہیں۔ اور چونکہ حفظ و صیانتِ امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے، اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا، ورنہ دین و امت کے مصالح میں، مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں، مدارس کے اجراء و قیام میں، دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں، ہدایت و ارشادِ امت کے تمام مفید وسائل میں"۔[1]

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے سابق ایڈیٹر اور موجودہ سرپرست مولانا منظور نعمانی نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بہت مختصر اور جامع ہے: "فی سبیل اللہ" اکثر علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں"۔[2]

مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے اس سوال کے جواب میں کہ "فی سبیل اللہ میں کون کون سے مصارف داخل ہیں؟" نہ صرف تمام امورِ خیر کو اس میں شامل قرار دیا ہے بلکہ یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے "بطور حیلۂ تملیک" تبلیغی انجمنوں کے دفتروں اور ان کے عملہ کی تنخواہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ موصوف سوال نمبر ۵۰۶ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب: درمختار میں ہے وفی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب الخ غرض یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں بیشک موافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں۔ لیکن جو شرط ادائے زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے۔ اس لیے حیلۂ تملیک اول کر لینا چاہیئے تاکہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ صرف کرنا اس کا درست ہو جائے"۔[3]

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ تحریر کرتے ہیں: "بعض فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے صرف مجاہدین مراد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی عبادت اور دین کے کاموں میں کوشش کرتے ہوں اور وہ مفلس ہوں تو وہ سب فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جیسا کہ ردّالمحتار وغیرہ میں یہ صراحت موجود ہے"۔[4]

---

[1] ایضاً ۴۱۹/۲ [2] معارف الحدیث، مولانا منظور نعمانی: ۴۳/۴، بار اول، ۱۹۶۷ء

[3] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مرتبہ مولانا ظفیر الدین مفتاحی: ۲۸۲/۶، طبع ثانی، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء (حیلۂ تملیک کی بحث کے لیے دیکھیے راقم سطور کی کتاب "زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں" حصہ اول مطبوعہ فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور)۔

[4] علم الفقہ۔ مولانا عبدالشکور فاروقی: ۴۸/۴، مکتبہ فاروقیہ لکھنؤ۔

اب سب سے آخر میں بغداد کے مشہور حنفی عالم علامہ شیخ محروس المدرس کی وہ رائے یا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے جو ۸ جون ۱۹۹۰ء کو بنگلور میں منعقدہ تیسرے فقہی سیمینار میں انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا اور جسے خود مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے ایڈیٹ کیا ہے ۔

سوال :۔ زکوٰۃ کے مصارف میں فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے ؟ (سائل مولوی عتیق احمد بستوی)

جواب :۔ اس سلسلہ میں فقہائے احناف کی دو آراء ہیں ، ایک رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے ۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد ہر عمل خیر ہے ۔ متاخرین نے دوسری کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے مساجد ، دینی مدارس ، طلبہ علم اور بے سروسامان مسافروں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز بتایا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ حالات کا تقاضا ہے کہ اس دوسری رائے کو اختیار کیا جائے ۔ جن حضرات نے " سبیل اللہ " کو جہاد کے مفہوم میں منحصر کیا ہے ان کا یہ حصر کسی شرعی بنیاد پر نہیں تھا ۔ بلکہ ان کے زمانہ میں سبیل اللہ کہ جہاد کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں تھی ۔ اس زمانے کے لوگوں کی حاجتیں ہماری طرح نہ تھیں ۔ کیونکہ اس زمانے میں اسلامی حکومت تھی ، جس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں اور دینی مدارس کے اخراجات کی کفالت حکومت کرتی تھی اب حالات میں تغیر آگیا ہے اس لیے زمانے کے اقتضاء کے مطابق اب " سبیل اللہ " سے ہر امر خیر مراد ہے [1]

یہ چند نمونے ہیں جو ہم نے سرسری طور پر پیش کئے ہیں ، ورنہ اگر تلاش و جستجو کی جائے تو اس قسم کی اور بھی بہت سی رائیں اور فتوے مل سکتے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کی ایک کثیر تعداد فی سبیل اللہ میں عمومیت کی قائل ہے بہر حال اوپر جو رائیں اور فتوے نقل کئے گئے ہیں ان سے اس مسئلہ کے تمام پہلو واضح اور روشن ہو گئے ہیں اور کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہی ۔ ظاہر ہے کہ اتنے سارے علماء و فقہاء نے جو فیصلہ کیا ہے وہ نفسانیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ شرعی دلائل کی بنیاد پر ہی فیصلہ کیا ہے ، جسے غلط قرار نہیں دیا جا سکتا ۔

ایک اہم سوال

واضح رہے سابقہ حالات کی بناء پر اگر پچھلے دور میں فی سبیل اللہ کے تحت غزوہ و جہاد کو غلبہ حاصل تھا تو موجودہ دور میں علمی جد و جہد اور اسی قسم کی دیگر سرگرمیوں کو اہمیت حاصل ہو گئی ہے ۔ کیونکہ موجودہ دور میں صحیح شرائط کے مطابق غزوہ و جہاد نہیں ہو رہا ہے اور جو جنگیں قومی و جغرافیائی اور نسلی و لسانی عصبیت کے تحت لڑی جا رہی ہیں انہیں جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا ۔ اسی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود اپنے دور کی جنگوں سے نالاں ہو کر انہیں جہاد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے صرف حج کو فی سبیل اللہ قرار دیتے تھے [2]

---

[1] مجلہ فقہ اسلامی مرتبہ مجاہد الاسلام قاسمی صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ دہلی ۔ [2] دیکھئے بخاری کتاب التفسیر ۵/۱۵۷ مطبوعہ استنبول ، اس بحث کی تفصیل راقم سطور نے اپنی کتاب " زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں " کے حصہ اول میں کی ہے ۔

ظاہر ہے کہ جب خود حضرت ابن عمرؓ کے دور میں جہاد کے مقاصد بدل گئے تھے تو پھر موجودہ دور میں اس کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جب صحیح اسلامی روح اور اس کی اسپرٹ کے تحت آج جہاد نہیں ہو رہا ہے تو کیا اس مصرف کو ہمیشہ کے لیے معطل و منسوخ قرار دے دیا جائے یا اس کے دوسرے مقتضا پر عمل کیا جائے جو خود حدیث نبوی ہی کی رو سے ثابت ہے؟ حالانکہ دین الٰہی میں کسی حکم کو دوام اور ہمیشگی حاصل رہنی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے مقتضا پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فقہ کے دو اہم اصول

چنانچہ فقہ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ عرف و حالات کی تبدیلی کی بناء پر اجتہادی احکام میں نظر ثانی یا تبدیلی کی جا سکتی ہے جب کہ وہ "نصوص" سے ٹکراتے نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہاں پر معاملہ نصوص سے ٹکرانے کا ہے ہی نہیں، بلکہ ایک نص کے مقابلے میں دوسری نص پر عمل کرنا ہے۔ کیونکہ خود حدیثوں کی تصریح کے مطابق فی سبیل کے ایک سے زیادہ مصداق موجود ہیں۔ گویا کہ خود نصوص میں توسع رکھا گیا ہے تاکہ وہ حالات اور زمانے کے تغیرات کا ساتھ دے سکیں۔ لیکن اسے "جمہور" سے اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ کسی نص صریح کی موجودگی میں جمہور کا ہوا کھڑا کرنا تقلید جامد اور تنگ نظری کو بڑھاوا دینا ہے۔ موجودہ دور میں کم از کم اجتہاد کا دعویٰ کرنے والوں کو اس قسم کے بھونڈے پن سے احتراز کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں آسانی رکھی ہے تنگی نہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ : ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔

نیز فرمان الٰہی ہے۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج : ۷۸)

اور فقہ کا ایک اور مشہور اصول ہے "مشقت آسانی لاتی ہے"۔ (المشقة تجلب التيسير) لہٰذا مشقت یا مشکل حالات میں آسان پہلو یا رخصت پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے اپنی وقیع کتاب "الاشباہ والنظائر" میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے[1]

یہ نیا اجتہاد نہیں ہے

بہر حال اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ محروس المدرس کی رائیں بہت وقیع اور قابل قدر ہیں کہ اس میں حالات و زمانے کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے اگر کسی دور میں غزوہ و جہاد کو اولیت حاصل رہی ہو اور اس بنیاد پر اسے "جمہور" کا مسلک قرار دیا گیا ہو تو موجودہ دور میں حالات کے بدل جانے اور علمائے امت کی اکثریت کا اس کی عمومیت پر اتفاق کر لینے کے باعث کہا جا سکتا ہے کہ اب عصر حاضر کے "جمہور" فی سبیل اللہ میں عموم کے قائل ہیں۔ اور یہ کوئی

[1] دیکھئے کتاب مذکور میں بحث، القاعدة الرابعة المشقة تجلب التيسير، ص ۸۴ ، ۸۳، مطبوعہ دار الفکر دمشق، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

"نیا اجتہاد" یا کسی "متجدد" کی رائے نہیں بلکہ چوتھی صدی کے فقیہ شافعی امام ابو اسحاق مروزیؒ اور چھٹی صدی کے ممتاز عالم حدیث قاضی عیاضؒ اور مشہور حنفی فقیہہ امام کاسانیؒ سے لے کر موجودہ دور تک کے بہت سے علما و فقہاء اور مفسرین اس کے قائل رہے ہیں اور عصر جدید میں تو ان کی تعداد اتنی ہو گئی ہے جو شمار سے بھی باہر ہے۔ اوپر بطور مثال چند نام گنائے گئے ہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو اس فہرست میں بہت کافی اضافہ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ اتنے سارے علما کسی غلط رائے پر متفق نہیں ہو سکتے۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ اس کی تائید خود حدیث شریف سے بھی ہو رہی ہو۔

فقہی اختلافات کی حقیقت

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ فقہ میں اختلاف اقوال و مسلک کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک مسلک والا دوسرے مسلک والے کو غلط اور باطل ٹھہراتا ہے۔ بلکہ محققین کی رائے کے مطابق اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہر مسلک والا اپنے مسلک کو راجح اور اپنے مخالف کو مرجوح قرار دیتا ہے یعنی اس کا نظریہ صرف یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کا مسلک بھی اگرچہ جائز ہے مگر میرا مسلک میری نظر میں زیادہ بہتر ہے [1] مگر صدیوں کے قیل وقال کے باعث ہر مسلک والا اب گویا کہ اپنے ہی مسلک کو حق اور مخالف مسلک رکھنے والے کو باطل قرار دینے پر اڑ گیا ہے۔ تو یہ صورتحال بہت ہی افسوسناک ہے۔ اس قسم کا رویہ اگر عوام کے لیے قابل درگزر ہو تو ہو مگر وہ علماء کے لیے ناقابل معافی ہے خاص کر ان علماء کے لیے جو موجودہ دور میں اجتہاد کا نعرہ بھی بلند کرتے ہوں۔

فقہ حنفی کی وسعت

حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں دیگر مسلکوں کے برعکس زیادہ وسعت و جامعیت اور روشن فکری پائی جاتی ہے، جو دراصل مختلف ادوار کے عرف و عادات کی تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ خود فی سبیل اللہ کی تاویل میں فقہ حنفی کی رو سے چار اقوال موجود ہیں اور یہ چاروں ایک دوسرے سے مختلف و متضاد ہونے کے باوجود صدیوں سے اب تک قابل تصور کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) اس سے محتاج غازی مراد ہے (۲) اس سے محتاج حاجی مراد ہے (۳) اس سے مراد طالب علم ہے (۴) اس میں تمام امور خیر داخل ہیں [2]

ناطقہ سر بگریباں ہے

مگر اب موجودہ دور کے بعض اہل مدرسہ ان چاروں میں سے آخری تینوں اقوال کو نظر انداز کر کے صرف پہلے قول پر اڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے۔ گویا کہ بقیہ تینوں اقوال ناجائز اور باطل ہیں جو صدیوں سے اب تک مستند و مقبول تھے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ

---

[1] جائز و ناجائز کی بحث صرف چند گنے چنے مسائل ہی میں پیدا ہو گئی ہے۔

[2] دیکھیے البحر الرائق ۲/۲۴۲، درمختار مع ردّ المحتار ۲/۹۶، اور تفسیر روح المعانی ۱۰/۱۲۳ وغیرہ۔

آخری قول کے مطابق وہ فی سبیل اللہ میں اہل علم وقلم کو شامل ہونے سے روک سکیں۔ یعنی ان کی نظر میں "تمام امور خیر" میں دنیا کا کوئی بھی شخص داخل ہو سکتا ہے، سوائے ایک "صاحب علم وقلم" کے، باوجود اپنے فقر و احتیاج کے بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یا للعجب! یہ خدا کی شریعت پر عمل کرنا ہے یا اس پر چاند ماری کرنا؟۔

یہ ہے موجودہ دور میں اجتہاد کا نعرہ بلند کرنے والوں کی منطق! کیا اس میں کوئی معقولیت نظر آتی ہے ؟ حالانکہ خود ہمارے قدیم فقہاء نے اہل علم کو زکوٰۃ کا مستحق قرار دینے کے سلسلے میں خصوصی فتوے جاری کئے ہیں[1] لیکن ان تمام فتووں سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اہل علم کو زکوٰۃ دینا ایک نویں مد کا اضافہ ہے، ظاہر ہے کہ نہ صرف ایک غلط دعویٰ ہے بلکہ اصل اسلامی شریعت کو عوام سے چھپانے کی بھی ایک جسارت ہے۔

فی سبیل اللہ اور حدیث نبوی

واضح رہے سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ کی رو سے فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں اور اصولی اعتبار سے جب تک اس کی تخصیص کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ کوئی ایک ہی چیز فی سبیل اللہ کا واحد مصرف ہے۔ اس کے برعکس حدیث شریف میں متعدد امور کو فی سبیل اللہ میں شامل کیا گیا ہے، جیسے غازی، حاجی اور عالم۔ (جیسا کہ راقم سطور نے اپنی تحریروں میں اس پر مفصل بحث کی ہے) اور ایک حدیث وہ ہے جو اوپر گزر چکی ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے ایک شخص کی دیت (خون بہا) ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں بظاہر شامل نہیں ہے۔ لہٰذا اسے فی سبیل اللہ ہی میں شامل کرنا پڑے گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور جواز ہی اس طرح کیا ہوگا تاکہ امت کے لیے ایک مثال قائم ہو جائے۔ جب خود رسول اکرمؐ نے اپنے فعل اور اپنی سنت کے ذریعہ کسی کام کا جواز ثابت کر دیا ہے تو پھر اس میں چناں وچنیں کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

غرض ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر مختلف چیزوں کو فی سبیل اللہ میں شامل و داخل کیا ہے مگر کسی بھی حدیث میں یہ صراحت موجود نہیں ہے کہ کوئی ایک ہی چیز فی سبیل اللہ میں شامل ہے یا کوئی واحد شے اس کا مصداق ہے۔

ایک قیمتی اصول

اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ فی سبیل اللہ کی تحدید نہیں فرمائی ورنہ ہماری ملت کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اختلاف احادیث ہی کی بنیاد پر علماء و فقہاء میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ گویا کہ یہ اختلاف بالکل فطری و عقلی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا اب اسے جواز و عدم جواز کے پیمانے سے دیکھنا بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے برعکس

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے راقم سطور کی کتاب "زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں"

اس اختلاف آراء سے عصری تقاضوں کے مطابق استفادہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے گرامی ہے۔ چنانچہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ "مشائخ کے لیے جائز ہے کہ وہ مصلحت زمانہ پر عمل کرتے ہوئے ہمارے اصحاب میں سے کسی ایک کا قول اختیار کریں[1]"

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے سے مصارفِ زکوٰۃ کے آٹھ میں منحصر ہونے کی قطعیت متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ سات مصارف تو وہی رہیں جو منصوص طور پر مذکور ہیں۔ مگر فی سبیل اللہ میں صرف وہ امور داخل ہوں گے جن کا تذکرہ بقیہ سات اصناف میں نہیں آسکا ہے اور وہ مقتضیاتِ عصر کے لحاظ سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مذکور کی رو سے مال زکوٰۃ سے کسی شخص کی دیت (خون بہا) ادا کرنا بھی اس سلسلے کی ایک مثال ہے۔ اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ اس میں مختلف تمدنی امور شامل ہوسکتے ہیں۔ اس توجیہہ و تاویل سے اس سلسلے کے تمام شکوک و شبہات دور ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری ملت کے صاحب اور پختہ کار علماء ان نکات پر غور فرمائیں۔

فقہی اختلافات باعث رحمت

واضح رہے اوپر شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس اصول کا تذکرہ کیا ہے وہ صرف فقہ حنفی ہی نہیں بلکہ تمام فقہائے امت کے اختلافات پر بھی صادق آسکتا ہے۔ اور موجودہ دور میں اجتہاد کرنے والوں کے سامنے سب سے پہلا اصول یہی رہنا چاہیئے کہ وہ کسی مخصوص طرز فکر کی ترجمانی کرنے کے بجائے پوری فقہ اسلامی کو قابل استفادہ تصور کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ موجودہ حالات میں کون سے فقیہہ کا قول یا مسلک زیادہ مناسب اور بہتر ہوسکتا ہے اور اس اعتبار سے یہ ایک خوش آئند خبر ہے کہ عصر حاضر میں نئے مسائل کے سلسلے میں اجتہاد کرنے والوں کے سامنے یہ اصول موجود ہے اور وہ اس کی اہمیت تسلیم کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ جامع ازہر کے تحت قاہرہ میں "مجمع البحوث" کی پہلی موتمر منعقدہ شوال ۱۳۸۳ھ / مارچ ۱۹۶۴ء میں ایک قرارداد اس بات کی منظور کی گئی کہ نئے مسائل میں مصالح کی رعایت کرتے ہوئے تمام فقہی مسلکوں سے فائدہ اٹھایا جائے، جب تک کہ وہ اس ضرورت کو پورا کریں۔ اور اگر وہ اس ضرورت کو پورا نہ کرتے ہوں تو پھر اجتماعی اجتہاد سے کام لیا جائے[2]"

واقعہ یہ ہے کہ فقہی اختلافات ملت اسلامیہ کے لیے باعث رحمت ہیں نہ کہ باعث زحمت، اور یہ تمام اختلافات شریعت کے حدود ہی میں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا کوئی بھی فرقہ اور مسلک (چاہے وہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی) نفسانی خواہش کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کہتا۔ بلکہ ہر ایک دلیل و استدلال کی بنیاد پر اختلاف

---

[1] عقد الجید، از شاہ ولی اللہ، ص ۱۲۴، مطبوعہ کراچی۔ [2] الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ، ص ۲۳۱، مطبوعہ جامعہ محمد اسلامیہ ریاض، ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء

کرتا ہے۔ چنانچہ دسویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم امام شعرانیؒ اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کا کوئی بھی قول شریعت مطہرہ سے خارج نہیں ہے۔

وما اومأنا اليه من دخول جميع أقوال الائمة المجتهدين ومقلديهم الى يوم الدين فى شعاع نور الشريعة المطهرة، بحيث لاترى قولا واحدًا منها خارجًا عن الشريعة المطهرة، فتامل وتدبر۔

نیز موصوف مزید تحریر کرتے ہیں کہ ائمہ فقہ کا اختلاف فروعی مسائل میں ہے (اصولی مسائل میں نہیں) اور ان تمام اقوال کی شریعت مطہرہ میں گنجائش موجود ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ نیز یہ اختلاف امت کے لیے باعث رحمت ہے جو ایک علیم وحکیم ہستی کی جانب سے ہے۔

وان اختلاف ائمة هذه الأمة فى فروع الدين۔ وان الشريعة المطهرة جاءت شريعة سمحاء واسعة شاملة، قابلة لسائر أقوال ائمة الهدىٰ من هذه الأمة المحمدية، وأن كلًا منهم فيما هو عليه فى نفسه على بصيرة من امره وعلى صراط مستقيم، وأن اختلافهم انما هو رحمة بالأمة، نشأ عن تدبير العليم الحكيم۔

اسی طرح موصوف تحریر کرتے ہیں کہ تمام مسلک اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں، کسی بھی مسلک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب کے سب شریعت مطہرہ ہی کے خوشہ چین ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ (اگرچہ ظاہری طور پر بہت بڑا تعارض نظر آتا ہے۔)

ایک لمحۂ فکریہ حاصل یہ کہ شریعت اسلامیہ میں اس قدر وسعت رکھی گئی ہے کہ وہ ان تمام "ظاہری اختلافات" کو سمیٹ لے۔ تاکہ عملی دنیا میں امت کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ ورنہ کسی ایک ہی قول پر کاربند ہونے کے نتیجے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس پہلو کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ دین میں آسانی رکھی گئی ہے سختی نہیں۔ اور یہ پوری امت اسلامیہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ ایک حدیث شریف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا۔

(دین کی باتوں میں) آسانی کا پہلو اختیار کرو اور (اس میں خواہ مخواہ) سختی مت کرو (لوگوں کو) خوشی کی بات سناؤ اور انہیں نفرت نہ دلاؤ۔

اس حدیث میں جو چار باتیں مذکور ہیں وہ دراصل شریعت کے چار اہم ترین اصول ہیں جو مختصر الفاظ میں ہونے کے باوجود کلیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان اصولوں کے ملاحظہ سے شریعت اسلامیہ کے مزاج اور اس کی ماہیت پر بھی بخوبی روشنی پڑجاتی ہے۔

جناب ماسٹر محمد عمر خان گڑھ

اِسلام کا تصوّرِ سیاست

— اور —

اِسلامی حکومت کی خصوصیات

انسانی سوسائٹی کو قانون الٰہی کا پابند بنانا اور ایک شیرازہ بند مملکت کے اندر جمع کرنا اسلامی سیاست کا منشا ہے اسلام میں حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو پیش کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ملک اور امورِ مملکت اور قانون کے ساتھ ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا ارشاد ربانی ہے۔

مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا کہ خداوند تعالیٰ جس کو حکمت سے بہرہ مند کرتا ہے وہی خیر کثیر کا مستحق ہے۔

علامہ ابن خلدون سیاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت (کفالت) کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے جس کے ذریعے خداوند تعالیٰ کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں خدا کے قانون کو نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجرا عمل میں لاتی ہے اس کام میں انسانی بہتری اور مفادِ عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون (نظام شریعت کو فیصلہ کن تسلیم کرتی ہے"

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی زندگی کے سیاسی محرکات کو حکیمانہ طرز بیان کے ساتھ ساتھ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اسلام کے نظامِ اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد کا مدار دو چیزوں پر رہا ہے۔ ۱۔ صحیح انسانی تہذیب کی تعمیر
۲۔ امت کی سیاست کی تعمیر۔ از حجۃ البالغہ جلد اوّل

یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ یورپین سیاست و تمدن نے اسلام کے نظریات حکمت و سیاست سے براہ راست استفادہ کیا مستند فرانسیسی عالم موسیو انیان ڈینہ نے نپولین کی تاریخی یادداشتوں سے ثابت کیا ہے کہ نپولین کے سیاسی تصورات میں اسلام کا تصورِ حکمت کام کر رہا تھا۔

(حاضر العالم الاسلامی تعلیقات امیر شکیب ارسلان ج ۱ ص ۲۶)

خلافت راشدہ میں سیاسی حکمت عملی کا آفتاب نصف النہار مشرق و مغرب کے سر پر طلوع ہوا اسلامی حکومت کی غایت اپنی سادگی اور عمومیت کے اعتبار سے ایک مستقل اور جداگانہ شے ہے۔ علامہ ابن الطقطی نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا وہ فرماتے ہیں:۔

"اسلامی حکومت عام دنیوی حکومتوں سے بالکل الگ اور پیغمبرانہ اوصاف سے مستفیض ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز اسلام کے تصور سیاست کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"قرآن حکیم میں محض حرام و حلال کے مسائل ہی نہیں بلکہ معاملات معاشیات اور سیاست و تمدن کے احکام بھی موجود ہیں جن کا مقصد نفوس اقوام اور طبقات عالم کو متمدن بنانا ہے جن کا تعلق نسل انسانی سے ہے۔ (الفوز الکبیر ص۴)

مزید براں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"خدا کا عرفان انسانیت کا حقیقی مطمع نظر ہے مگر اس کے لیے بھی خدا کے قانون کو تسلیم کرنا بے حد ضروری ہے اس لیے انسانی سوسائٹی ایک قوم کی حیثیت سے دین پر اس وقت تک عمل نہیں کر سکتی جب تک اس کے پاس قوانین شرعیہ نہ ہوں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۹۲)

آقائے دو عالم تاجدار مدینہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو نبوت اور خلافت کا پایۂ تخت بنایا مؤسس اول نے مکہ کی فتح کے بعد انسانی مساوات امن آزادی اور اخوت کا اعلان سلاطین عالم کے درباروں میں سفرا کی روانگی بیرونی سفرا کی مدینہ منورہ میں باریابی صوبائی تنظیم حکام کا تقرر، فرامین و احکام کے اجرا سے عہد نبوی میں سیاست اسلامیہ کے بنیادی اصول متعین صورت میں بروئے کار آئے۔ خلافت راشدہ میں سیاست عملی کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ کر مشرق و مغرب کے سر پر پوری تابانیوں کے ساتھ چمکا ابھی سو سال بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اسلامی حکومت دنیا پر چھا گئی دنیا کی کوئی طاقت اس ابھرنے والی اوپر اٹھنے اور سماوی کائنات تک اپنی روشنی پہنچانے میں مانع نہ ہو سکی۔

اسلامی حکومت کی خصوصیات

اسلامی طرز حکومت ایک اتم اور اکمل مملکت کا نمونہ ہے اسلامی طرز حکومت میں ہر حکومت کا اچھا پہلو شامل ہے اور ہر فاسد پہلو اس کے دائرہ تصور سے خالی ہے۔ اس کو ہر زمانے کے لیے قیامت تک کے لیے ترقی پذیر طرز حکومت کہنا عین صحیح ہوگا۔

اسلامی طرز حکومت کو موجودہ یورپ کی یونانی لادین جمہوریت سے قطعاً سروکار نہیں۔ اسلام میں روم اور فارس کی شہنشاہیت کی گنجائش نہیں بلکہ اسلام نے اس غرور کی چٹان کو پوری قوت کے ساتھ پاش پاش کر دیا ہے۔

اور اپنی قوت سے دنیا کو امن و سلامتی کے نظام اپنے فکر کی طرف بلایا اور جب انہوں نے انکار کر دیا تو آپ نے اعلان فرمایا۔

"قیصر و کسریٰ کے خاتمہ کے بعد کوئی قیصر ہوگا اور نہ کوئی کسریٰ۔" (بخاری شریف)

عہد فاروقی میں جب روم کا سفیر مدینہ منورہ پہنچا اس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی طرف سے جواب ملا مَالَنَا مَلِكٌ بَلْ لَنَا اَمِيْرٌ ہمارا کوئی بادشاہ نہیں البتہ امیر ضرور ہے جسے امیر المومنین کہتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانی وراثت کے اصول کی ذرا بھی رعایت نہیں کی حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔

"اگر خلافت کے لیے قوت اور استعداد کی جگہ صحبت کا اعتبار ہوتا تو وہ اپنے لڑکے کو حکومت پر فائز کرتے۔" (اسد الغابہ ابن اثیر ج ۴ ص ۶۹)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جانشین کے انتخاب میں اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر رضی کے متعلق خود یہ ہدایت فرمائی کہ ان کو منصب حکومت حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

اسلامی حکومت ایک فلاحی اور عادلانہ منصفانہ حکومت ہوتی ہے جس میں ملک کے ہر شہری کو مفت علاج مفت تعلیم اور معاشرے کے ہر شہری کی اقتصادی ضرورت کی ضامن ہوتی ہے۔

اسلامی حکومت کے بنیادی اصول

حکومت الٰہیہ کا قیام: حکومت اسلامیہ کا سب سے پہلا قطعی اور بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ اپنے حکمت عملی کے سیاسی دائرہ کار میں مکمل طور پر خدائی تنظیم ہے اس کے حلقہ کار میں ساری حکومت اور ماتحتی کا مدار کائنات کے واحد لاشریک خداوند تعالیٰ کی بالادستی پر ہے۔

خلافت: (سیاسی نیابت) اسلام کے نزدیک انسان خدا کی طرف سے کارخانہ حکومت کا نمائندہ اور ذمہ دار ہے۔

مساوات: تمام اچھے انسان بھائی بھائی ہیں حقوق میں برابر ہیں آزاد شہری ہیں۔ حکومت کے وارث اور شوریٰ کے رکن ہیں۔

امامت: اسلامی حکومت اعلیٰ طرز کی (لیڈرشپ) ایک قطعی اصول ہے۔

ضابطہ حیات: اسلامی حکومت میں قرآن حکیم حکومت کا سرچشمہ ہے سلطنت اسلامیہ کا ضابطہ اور

اخلاق و تمدن کا اساسی آئین ہے۔

اسلامی حکومت اور مروجہ جمہوریت کا فرق

۱۔ اسلامی حکومت کے لیے مذہب بنیادی قانون کا درجہ رکھتا ہے جمہوری حکومت کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔

۲۔ اسلامی حکومت میں طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذاتِ واحد لاشریک کو قرار دیا گیا ہے۔ مگر جمہوری حکومت میں طاقت کا سرچشمہ عوام قرار پاتے ہیں۔

۳۔ اسلامی حکومت میں مرتد ہونے کی قطعی گنجائش نہیں۔ جمہوری حکومت نہ مذہب کی دشمن ہوتی ہے نہ مذہب کی حامی۔ جمہوریت میں اپنے جمہور کو عقیدہ اور عمل کی آزادی کا پورا پورا حق دیتی ہے۔

۴۔ اسلامی حکومت میں ایک امیر ہوتا ہے "قانون کے علمبردار انسان ہوتے ہیں بادشاہ نہیں ہوتے۔ تاج تخت ایوان شاہی نہیں ہوتا ولی عہد نہیں ہوتا نہ شاہی شہزادے ہوتے ہیں اس کے برعکس جمہوری حکومت کا صدر ہوتا ہے جمہور ملک کے باشندے ہوتے ہیں۔

۵۔ جمہوری حکومت نام ہے جمہور کی حکومت کا۔ جمہوریت میں حکم سرچشمہ مرضی جمہور ہے۔ جمہور اپنی حکومت نظامِ حکومت قانون حکومت سب کچھ بناتے ہیں اور خدا کے حکم کی پرواہ نہیں کرتے جمہور حکومت بنا سکتے ہیں اور نظامِ حکومت بدل سکتے ہیں اس کے برعکس اسلامی حکومت امامت خلافت اور امارتِ شوریٰ کا نام ہے اس حکومت میں خدا کی مرضی اصل ہے جمہور کا اختیار منجانب اللہ ہے اور نیابت ذمہ داری کے طور پر ہے۔ احکام کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ کی ذات ہے۔ رائے عامہ اس کے تابع اور زیرِ اثر ہے۔

۶۔ اسلامی حکومت میں امت کا ہر فرد حکومت کے امور میں براہ راست شریک ہوتا ہے ہر شخص شوریٰ میں بذاتِ خود پہنچ کر اراکانِ حکومت کے سامنے رائے پیش کر سکتا ہے جمہوری حکومت میں جمہور ووٹ دیتے ہیں نمائندے منتخب کرتے ہیں اصل جمہور نہ حکومت کی کرسی تک پہنچ سکتے ہیں نہ جمہوری ایوان میں داخل ہو سکتے ہیں۔

۷۔ جمہوریت کا مرکز ہوتا ہے صدر یا وزیرِ اعظم کو جمہوری ایوان کا خیال رکھنا پڑتا ہے اگر جمہور خلاف قانون کسی فیصلہ پر جمع ہو جائیں تو حکومت الٹ جاتی ہے حالات عام یا خاص میں حکومت کے کاموں کی رفتار سست رہتی ہے بے لگام آزادی کی وجہ سے جمہور ہر وقت مرکز کو پارہ پارہ کرنے اور مرکز سے جدا ہونے کے لیے تیار رہتے ہیں اس کے برعکس اسلامی حکومت کا امام (امیر المومنین) طاقتور ہوتا ہے۔ عام حالات میں اس کے حکم سے دنیا ادھر سے ادھر ہو جاتی ہے اس کا ہر فیصلہ قانون اسلام کے عین مطابق اتباع سنت اور اسوہ صحابہؓ سے مستفیض ہوتا ہے امیر یا خلیفۃ المومنین شوریٰ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ سمجھتا ہے اس کے بعد امیر کا ایک اشارہ کافی ہے جمہور اس کی اطاعت کریں گے ورنہ باغی طاغی سمجھے جائیں گے۔

جمہوریت کا صدر جمہوری ایوان کی طرح اپنے وقت مقررہ کے لیے ہوتا ہے۔ اور تاریخ مقررہ پر اپنے [عہد]ے سے سبکدوش ہو جاتا ہے وزیر اعظم یا صدر ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ قوم کا اچھا فرد ہو اور قانون [الٰہی] کا فرمانبردار ہو چاہے زانی اور بدمعاش یا عملی طور پر خدا کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ صرف ووٹوں کی اکثریت [معی]ارِ اول ہے۔

اس کے برعکس اسلامی حکومت کا امیر امت کا سب سے بڑا رہنما سب سے اعلیٰ ماہر قانون کتاب و [سن]ت کو سب سے زیادہ جاننے والا اور اس پر عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

جمہوریت میں پارلیمنٹ کے اندر دو گروہوں کا ہونا لازمی ہے ایک حزبِ اقتدار اور دوسرا حزبِ اختلاف۔ [حز]ب اقتدار کا مقصد اقتدار کو طول دینے کے لیے اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنانا اور عوام پر ٹھونسنا ہوتا ہے [اور] حزبِ اختلاف کی غرض و غایت حزب اقتدار کی ہر بات کی مخالفت ہوتی ہے اس کے برعکس اسلام کے [نظ]ام حکومت میں نہ کوئی حزب اختلاف ہوتی ہے نہ حزب اقتدار بلکہ پارلیمنٹ کا ہر ممبر حزب اقتدار میں بھی ہے اور حزبِ اختلاف میں بھی۔ خلیفۂ وقت اگر صحیح اور درست کام کرتا ہے تو مجلس شوریٰ (ممبران پارلیمنٹ) [ا]س کی حمایت کرے گا اگر غلط بات کا مرتکب ہوتا ہے تو ہر فرد کا یہ حق ہے کہ اس کی مخالفت کرے اور اس کو [را]ہِ راست پر لائے۔

یہ عام پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام اور جمہور کی حکومت ہوتی ہے یہ سراسر غلط ہے۔ درحقیقت [جم]ہوریت بالواسطہ ایک ڈکٹیٹرشپ ہوتی ہے لیکن جمہوریت کے بارہ میں عوام کو یہ فریب دیا جاتا ہے کہ حکومت [ت]مہاری ہے تمہی نے ووٹ دے کر ہمیں منتخب کیا لہٰذا ہم کچھ نہیں کر رہے بلکہ تم ہی سب کچھ کر رہے ہو اس [ط]ریقے سے عوام کے احتجاج کا گلہ گھونٹ کر بدترین آمریت مسلط ہو جاتی ہے۔

جمہوریت کس طرح ڈکٹیٹرشپ ہے؟ اس کی تفصیل پوری قوم کے سامنے ہے وزیر اعظم اقتدار کا سربراہ [ہو]تا ہے لیکن حزب اقتدار کا کوئی شخص نہ تو اس سے اختلاف رائے کر سکتا ہے نہ اس کی مرضی کے خلاف دم مار [سک]تا ہے جس کا نتیجہ وزیر اعظم ملک کے سیاہ سفید کا مالک بن جاتا ہے وہ اکثر قانون اپنی مرضی کے مطابق پہلے [ناف]ذ کرتا ہے پارلیمنٹ میں منظوری بعد میں لیتا ہے اس کی پارٹی کے افراد جنہیں حزبِ اقتدار کیا جاتا ہے اس کی منظوری دینے اور توثیق کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ

بندرگاہ کراچی

جہازرانوں کی جنت
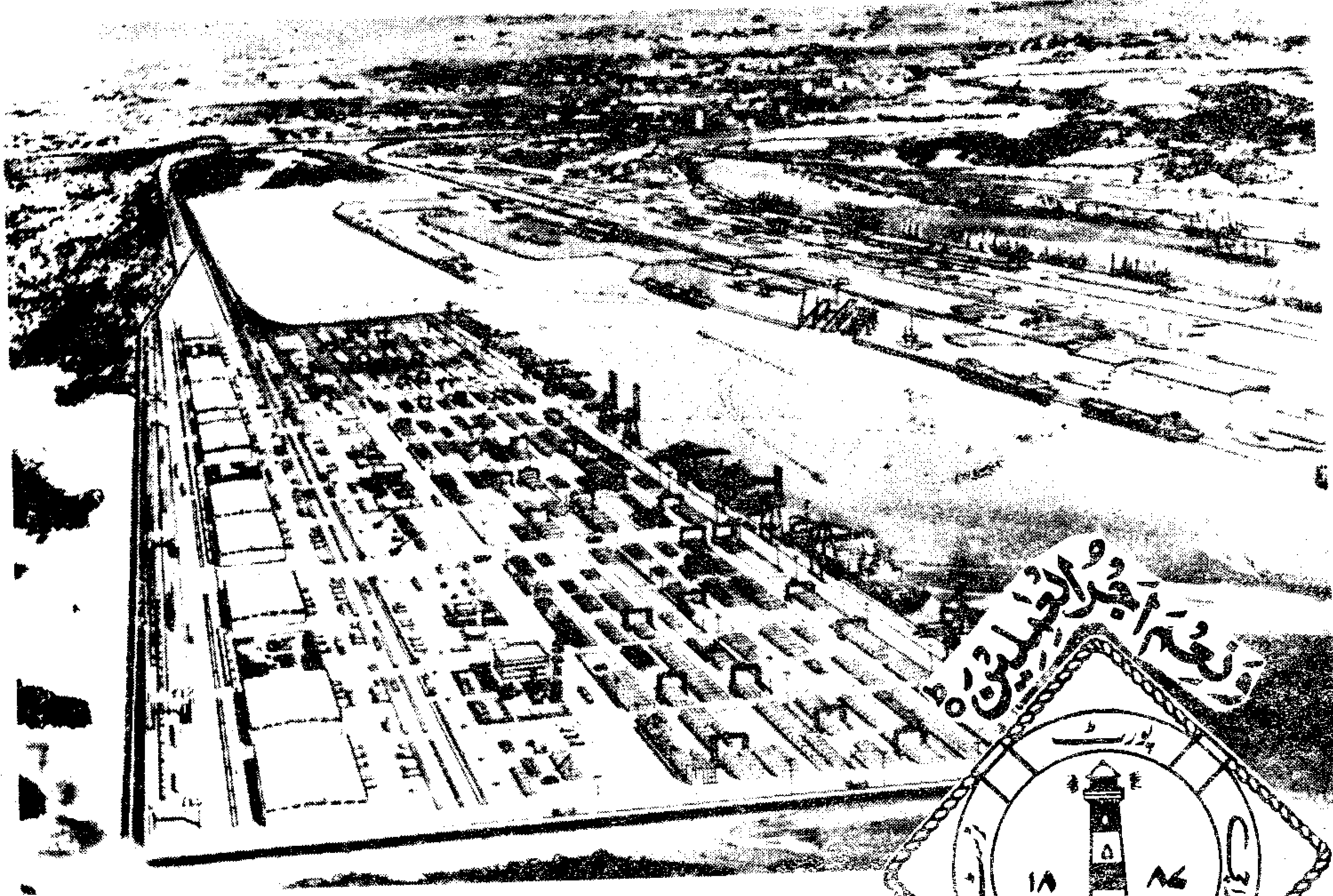
ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجینئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

برما کے مسلمانوں کی حالت زار

ملائشیا کی حکومت نے برمی مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم پر برمی حکومت کو اپنی تشویش سے آگاہ کرتے ہوتے برمی سفیر کو وزارت خارجہ کے دفتر میں طلب کیا اور اپنی حکومت کے موقف سے آگاہ کیا، ایک اور خبر کے مطابق حکومت پاکستان نے برما میں مسلمانوں کی حالت زار پر تشویش ظاہر کی ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان نے بدھ کے روز بتلایا کہ حکومت نے برما میں مسلم اقلیت کی صورت حال پر برمی حکومت کو اپنی تشویش سے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان اس بارے میں قطعاً لاتعلق نہیں اس نے برما کی حکومت سے رابطہ کر رکھا ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ برما میں مسلم اقلیت سے بہتر اور ہمدردانہ برتاؤ کیا جاتے گا اور برما کی حکومت ان کی آزادی اور بنیادی حقوق کا احترام کرے گی (جنگ ۱۲ مارچ) دوسری طرف بنگلہ دیش کی حکمران ۱۹ مارچ کو واشنگٹن پہنچ کر امریکی صدر بش کو برمی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے آگاہ کریں گی اور مہاجرین کی مالی امداد کے سلسلے میں بھی گفتگو ہو گی۔

بنگلہ دیش پہنچنے والے برمی مسلمانوں نے بتلایا کہ برما کی فوج نے کتنی سو مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے بعد ان کی عورتوں کو علیحدہ کر دیا اور مردوں کو گولیوں سے اڑا کر ایک ہی قبر میں دبا دیا گیا ایک اور اطلاع کے مطابق دو سو مسلمانوں کو قتل کر دیا اور پانچ سو سے زائد مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی ان کا مال واسباب لوٹ لیا گیا اور مسلمان خواتین کی عزت لوٹ لی گئیں۔

برمی حکومت کے اس ظلم وستم سے بچنے کی خاطر جو مسلمان فرار ہو کر بنگلہ دیش پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں گولیوں کا نشانہ بنا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں گرفتار کر کے فوجی اذیت خانوں میں لے جا کر سخت اذیتیں دی جاتی ہیں۔

برمی فوج کے ظلم وستم اور قتل وغارت گری کی یہ داستان تقریباً ہر روز اردو اور انگریزی اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں اور یہ وہ خبریں اور ہوش ربا مناظر ہیں جو بنگلہ دیش پہنچنے والے مہاجرین یا عالمی ذرائع ابلاغ کی معرفت چھپ جاتی ہیں۔ جبکہ رنگون اور برما کے دوسرے شہروں میں رہنے والے مسلمانوں پر ظلم وستم کے جو پہاڑ گراتے جا رہے ہیں۔ ان تک شاید ہی کسی کی رسائی ہو کیونکہ برمی حکومت نہ تو عالمی ذرائع ابلاغ کو اس کی

اجازت دیتی ہے کہ وہ ان علاقوں کی خبریں مرتب کر سکے اور نہ ہی وہاں کے اخبارات کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکیں۔

عالمی ذرائع اور ذرائع سے پہنچنے والی خبروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ برما کی حکومت نے مسلمانان برما کے خلاف بڑی شدت سے طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے اور مہرآنے والا دن برمی مسلمانوں کے لیے ظلم وستم کا پہاڑ بن کر نمودار ہو رہا ہے برمی مسلمانوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک آج کی پیداوار نہیں بلکہ اس کی ایک طویل داستان ہے اس وقت حالات نے صرف ہلکی سی جھلک دکھا دی ہے۔

اس وقت برما کی کل آبادی ساڑھے تین کروڑ سے زائد ہے۔ جس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۳۶ لاکھ کے قریب ہے، یوں تو مسلمان سارے برما میں پھیلے ہوئے ہیں البتہ برما کے ساحلی صوبے اراکان میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں برما کو آزادی ملی۔ ابتدائی چند سال خیریت سے گزرے پھر حالات نے پلٹا کھایا۔ جنرل نیمون کے دور اقتدار کے شروع ہوتے ہی مسلمانان برما کے خلاف ظلم وستم کا آغاز ہوتا ہے مسلمانوں کے بڑے بڑے ادارے چھین لیے جاتے ہیں ان کی دوکانیں زمینیں اور املاک پر جبراً قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اسکولوں میں سے مسلم تشخص ختم کر دیا جاتا ہے۔ راتوں رات ایسا انقلاب برپا ہوتا ہے کہ امیر صبح غریب ہو گئے زکوٰۃ دینے والے زکوٰۃ لینے کے مستحق ہو گئے۔ لوگوں کو کھلانے والے کھانا مانگنے پر مجبور کر دیئے گئے حتیٰ کہ کئی مسلمان اس حادثہ فاجعہ کے بعد اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور جو بچ گئے آج تک سنبھل نہ سکے اور زندہ لاش بن کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ یوں تو اس ظلم کی لپیٹ میں تمام اقلیتیں آئیں مگر سب سے زیادہ مسلمانوں پر اس کا اثر پڑا ہمسلمانوں کو سیاسی و مذہبی طور پر جو آزادیاں حاصل تھیں راتوں رات سلب کر لی گئیں انہیں حج پر جانے سے روک دیا گیا۔ قرآن کی طباعت، دینی کتابوں کی اشاعت اور اسلامی رسائل کا اجراء ناممکن ہو گیا۔ مسلمانوں سے چھینی ہوئی دکانیں اور ان کے سامان پر قبضہ کرنے کے بعد فوجی افسروں اور فوجی حکومت کے کارندوں کو بلا معاوضہ دے دی گئیں یعنی ہر لحاظ سے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے اور بے یار و مددگار کرنے کے منصوبے کا آغاز ہوا۔

چند سال قبل سابق صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم جب رنگون کے دورے پر تشریف لے گئے تھے تو رنگون کے مسلمانوں نے ایک اسلامی ملک کے سربراہ کے لیے ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا مگر حکومت نے اجازت نہ دی تھی حتیٰ کہ رنگون شہر کی ایک مشہور شاہراہ پر جب صدر مرحوم گاڑی میں بیٹھے جا رہے تھے تو وہاں کھڑے دو گجراتی مسلمانوں نے ہاتھ کے اشارے سے مرحوم کو سلام کیا۔ اس وقت سادہ لباس میں ملبوس دو فوجی افسروں نے انہیں گرفتار کر لیا اور پولیس اسٹیشن لے جانے کے بعد سوالات کی بوچھاڑ کر دی کہ تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے، تم پاکستان کے جاسوس تو نہیں؟ تمہیں ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے کی کیا ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ تقریباً ۲۰ گھنٹے پولیس کی

تحویل میں رہنے کے بعد بمشکل ان کی جان بچی۔

اس وقت برما کے مسلمانوں پر شدت ظلم کی شاید وجہ یہ نظر آتی ہے کہ برما کی فوجی حکومت خارجی و داخلی طور پر شدید انتشار کا شکار ہے ملکی سطح پر حزب اختلاف کو انتخاب میں فتح حاصل کر لینے کے باوجود اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔ اور اس کی سربراہ تین سالوں سے نظر بند ہے۔ نوجوانوں کے مظاہرے پر بندوق کی گولیوں کی بارش برسائی جا رہی ہے۔ جس کے کچھ دلدوز مناظر برطانوی ٹیلیویژن بھی دکھا چکا ہے۔ کئی ماہ سے بڑے شہروں کی یونیورسٹیاں مسلسل بند پڑی ہیں۔ رات کے وقت کرفیو نافذ ہے۔ برما کی فوجی حکومت نے داخلی کشیدگی کو دور کرنے اور وہاں کے عوام کی جدوجہد سے توجہ ہٹانے کی خاطر مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا لیا ہے تاکہ برما میں رہنے والے برمی لوگوں کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ مسلمان اس ملک کے غدار ہیں اور ملک میں بد امنی پیدا کر رہے ہیں اس طریقے سے داخلی کشیدگی بھی دور کر دی جاتی اور مسلمانان برما کے خلاف وہاں کے عوام کے جذبات بھی ابھارے جائیں تاکہ مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹتے رہیں۔

بنگلہ دیش کی حکومت نے برمی مہاجرین کے لیے پوری دنیا سے اپیل کی ہے۔ ہمارے نزدیک اس اپیل کا جواب ضرور دیا جاتے اور مسلمانان برما کی بھرپور امداد کی جاتے۔ لیکن مسئلہ صرف مالی امداد کا نہیں۔ بلکہ مسلمانان برما کی سیاسی اور دینی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کے جان و مال ان کی عزت و آبرو کا بھی ہے۔ غیر مسلم قوتیں صرف اپنے مفادات اور سیاسی فائدے کو سامنے رکھ کر حالات کا جائزہ لیا کرتی ہیں ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمانان برما کے پاس تیل کے کنویں نہیں، سونے کی کانیں نہیں، دولت کی ریل پیل نہیں۔ ان حالات میں ان سے اس بات کی امید رکھنی کہ یہ اہل اسلام کے غم خوار بن کر انہیں ان کا جائز مقام دلائیں گے۔ ایں خیال است و محال است و جنون کا مصداق ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ مسلمانان برما پر ہونے والے ان مظالم کے خلاف کس کی زبان کھلے؟ ظاہر ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اسلامی ممالک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اس وقت ملائشیا اور حکومت پاکستان نے مسلمانان برما کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے برما کی حکومت پر اپنا موقف ظاہر کیا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ صرف ان دو ممالک سے حل نہیں ہوگا۔ اس کے لیے پورے عالم اسلام کو ایک آواز کے ساتھ اٹھنا ہوگا اور زبانی جمع خرچ کے بجائے عملی طور پر کوئی قدم اٹھانا ہوگا تاکہ برمی حکومت پر یہ واضح ہو جائے کہ برما کے مسلمان بے یار و مددگار اور تنہا نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمان ان کی پشت پر موجود ہیں۔ ہے کوئی جو ظالم کا ہاتھ پکڑے اور مظلوم کا ساتھ دے کہ دین و دنیا میں سرخرو ہو جائے۔

اپنی جہاز راں کمپنی
پی این ایس سی
کے
جہاز
سے مال بھیجیے
بروقت - محفوظ - باکفایت
پی - این - ایس - سی براعظموں کو ملاتی ہے - عالمی منڈیوں کو آپ کے
قریب لے آتی ہے - آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل
برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے -
پی - این - ایس - سی قومی پرچم بردار - پیشہ ورانہ مہارت کا حامل
جہاز راں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجیے
پاکستان نیشنل
شپنگ کارپوریشن
قومی پرچم بردار جہاز راں ادارہ

PNSC

مولانا محمد طاسین کی تحریر کے جواب میں

مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب
استاذ حدیث دارالعلوم حقانیہ

ادھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

(نقد اور ادھار کی وجہ سے قیمت میں تفاوت کا شرعی تجزیہ)

(۲)

مختلف الجنس اشیاء کے تبادلہ میں تفاضل حقیقی و حکمی دونوں جائز ہیں از روئے شرع خرید و فروخت کا معاملہ عاقدین کی باہمی رضامندی پر مبنی ہے۔ لیکن اموال ربویہ میں ان پر چند پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ "اشیاء ستہ" کی حدیث سے جہاں دوسرے ائمہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق علت نکال کر ربوا کی شکلیں متعین کیں تو احناف نے "جنس و قدر" کی علت نکالی۔ اس لیے جہاں کہیں دونوں علتیں پائی جاتی ہیں۔ وہاں پر احناف نے تفاضل حقیقی اور تفاضل حکمی (نسیہ) دونوں حرام قرار دیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے پر گندم کے عوض گندم فروخت کرتا ہے تو ایک من کے بدلہ میں جیسا کہ دو من خریدنا حرام ہے۔ ایسا ہی تفاضل حکمی کہ ایک چیز وصول کر کے دوسرے کی وصولی کے لیے مہلت دی جائے) بھی حرام ہے اور اگر کہیں جنس و قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو وہاں پر تفاضل حکمی تو حرام ہے لیکن تفاضل حقیقی میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے ایک من گندم کے عوض دو من مکئی لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں نسیہ حرام ہے۔ اور جہاں کہیں جنس و قدر دونوں نہ ہوں۔ تو مختلف الجنس اشیاء میں" واذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" کی رو سے تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں حلال ہیں۔ زیر نظر معاملہ میں ثمن اور مبیعہ دونوں مختلف جنس ہیں جن کے درمیان قدر بھی مشترک نہیں اس لیے تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہونی چاہیے۔ تاہم نسیہ اور نقد کے مابین تفاوت کا اعتبار کرنا عقد کی تکمیل کے بعد ثانوی امور ہیں جن کا عقد کے قوام سے کوئی تعلق نہیں۔

نقد و نسیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اتفاقی مسئلہ ہے ائمہ کرام کے درمیان زیر نظر مسئلہ میں اتفاق ہونے کی نشاندہی ایک دوسرے مسئلہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں حضرت زید بن ارقم کی سابقہ روایت پیش کی جاتی ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز نسیہ اور ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے۔ اور پھر بغیر کسی ثمن کی ادائیگی کے دوبارہ اپنی فروخت

کی ہوئی چیز بغیر کسی ثالث کے حائل ہونے کے نقد پر کم قیمت پر خریدے تو امام شافعیؒ کے نزدیک ثالث کے حائل نہ ہونے کے بغیر بھی یہ عقد جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک ثالث کے حائل ہونے کے بغیر یہ عقد ناجائز ہے تاہم اگر درمیان میں ثالث آجائے اور فروخت کرتے وقت نسیہ کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو روپے رکھی گئی تھی لیکن دوبارہ بائع نے نقد رقم دے کر اپنی فروخت کی ہوئی چیز کم قیمت چار سو روپے پر خریدی تو پھر شوافعؒ کی طرح احنافؒ کے نزدیک بھی جائز ہے ایسا ہی ثمن کی وصولی کے بعد جواز اتفاقی ہے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں۔

وقید بقوله قبل نقد الثمن لان ما بعده یجوز ما الاجماع باقل الثمن[1]

ترجمہ: ثمن کی ادائیگی سے قبل مسئلہ کی تقیید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر معاملہ بعد نقد الثمن کا ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے۔

اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اصل قیمت کی زیادت میں جیسا کہ نقد میں زیادتی کا احتمال ہے تو "حالة او نسیئة" کے عموم سے نسیہ کا بھی احتمال ہے تو نسیہ میں زیادہ قیمت مقرر کرکے بعد میں کم قیمت نقد پر خریدنے سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مقالہ نگار کے انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مسئلہ فقہ حنفی میں شاید صرف ان دو کتابوں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں یوں نہیں۔ بلکہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عابدینؒ نے یہ مسئلہ علاؤ الدین الحصکفی کی عبارت کی شرح میں "رد المحتار علی الدر المختار" المعروف شامی ج ۴ صـ۱۵۸ ابن نجیم المصری نے بحر الرائق ج ۶ صـ۱۱۴ پر بھی ذکر کیا۔ اگرچہ اکثر فقہاء نے جو علت ذکر کی ہے وہ ایک نظر آتی ہے میرے خیال میں فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں شاید کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں یہ مسئلہ نہ ہو۔ لیکن محض فقہی ذخائر سے عبارات کا نقل موصوف کے نزدیک کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں۔ اس لیے عبارات کے نقل کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کے بارے میں کسی ایک کتاب میں صریح جزئیہ کہیں نہیں ملتا۔ اس لیے موصوف کو اپنے موقف کے اثبات کے لیے دوسرے جزئیات کا سہارا لینا پڑا۔ اگر کہیں یہ ناجائز ہوتا تو اتنے ضخیم فقہی ذخائر میں کہیں نہ کہیں اس پر تصریح ہوتی۔

موصوف کے مقالہ کا جائزہ

یہاں تک اصل مسئلہ کے جواز کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ ابھی ہم ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے موصوف کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ معاملہ ناجائز اور حرام قرار دیا جا رہا ہے۔

---

[1] فتح القدیر ج ۶ صـ۶۸

دونوں قسطوں پر مشتمل مقالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جواز کا نظریہ تین باتوں پر مبنی ہے۔

۱۔ ربوا النسیۃ :۔ آپ کے نزدیک زیر نظر مسئلہ " ربوا النسیۃ " کی ایک ذیلی قسم ہے۔ کبری تو مسلمات دین میں سے ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے ربو کی جملہ قسمیں حرام ہیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کبری کی تسلیم ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ لیکن صغری ایک نظری مسئلہ ہونے کی وجہ سے کافی غور و خوض کا محتاج تھا اس لیے موصوف نے اس پر بڑی عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ چنانچہ پہلی قسط کا ⅔ سے زائد حصہ اس پر مشتمل ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

" غرضیکہ قرآن حکیم نے ربوا النسیہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربوا کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے[۱]"

آپ نے ربوا النسیۃ کی حقیقت زید بن اسلم، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور عطا بن ابی رباح جیسے بلند پایہ اکابرین کے حوالہ سے نقل کر کے یہ کوشش کی ہے کہ یہی حقیقت ربوا زیر نظر مسئلہ میں بھی کارفرما ہے پھر مزید وضاحت کے لیے آپ نے ابو بکر الجصاص اور امام فخر الدین رازی کے اقوال کا سہارا بھی لیا ہے۔ جن میں ربوا النسیہ کی حقیقت بیان ہوتی ہے۔ اس خیال کو مزید تقویت دیتے ہوئے موصوف نے ان اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے جو سود کی وجہ سے معاشرہ پر پڑتے ہیں آپ کے خیال میں یہی زیر نظر معاملہ کے بھی اثرات ہیں۔

۲۔ بیع باطل :۔ موصوف نے جس دوسری حقیقت پر زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کی عمارت بنائی ہے۔ وہ بیع باطل کی تعریف ہے۔ آپ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور علامہ رشید رضا کے حوالہ سے بیع باطل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعد ازاں مروجہ معاملہ پر یہی حقیقت منطبق کر کے فرماتے ہیں۔

" آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے[۲]"

۳۔ تیسری چیز جو موصوف اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں وہ قرض میں کسی منفعت کی حرمت کا حکم ہے چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربوا ہے۔ آپ اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں۔

" بہرحال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے[۳]"

اس کے علاوہ موصوف کے مقالہ کے آخر میں ہدایہ اور مبسوط سرخسی کے واضح جزئیات سے جان چھڑانے کے لیے

---

[۱] الحق جلد ۲۷ شمارہ ۳ صفحہ ۲۳ [۲] الحق جلد ۲۶ شمارہ ۴ صفحہ ۳۶ [۳] ایضاً صفحہ ۳۰

ایسی کمزور اور رکیک توجیہات کی گئی ہیں جو " توجیہہ بما لایرضی قائلہ " کا مصداق ہے۔ ان توجیہات کی حقیقت، قوام وثبات یا ضعف وکمزوری کے لیے قارئین حضرت مولانا قاضی عبدالکریم دامت برکاتہم کے مقالہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہم آئندہ موصوف کے ان تین نکات پر بحث کریں گے جو بزعم مقالہ نگار زیر نظر مسئلہ کی حرمت کے لیے بنیادی کردار رکھتے ہیں۔

پہلی وجہ کی کمزوری جہاں تک زیر نظر معاملہ کو " ربوا النسیہ " کی قسم قرار دینے کی یہ بات ہے تو ربٰو کا دائرہ اتنا وسیع نہیں جو ادھار کے معاملہ کو بھی سمیٹ سکے۔ چند وجوہات کی وجہ سے ادھار کا معاملہ ربوا النسیہ سے مختلف ہے۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ " ربوا النسیہ " میں اجل کو باقاعدہ مستقل مبیعہ کی حیثیت سے اعتبار دیا جاتا ہے۔ موصوف کے مقالہ کے حوالہ سے اکابرین امت سے اس کی جو حقیقت نقل کی گئی ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقررمدت کے خاتمہ پر داین مدیون کے پاس جاکر کہہ دیتا کہ میری فلاں رقم جو تیرے ذمہ ہے وہ ادا کرو۔ اگر ابھی ادا نہیں کرتے ہو تو اتنی مدت کے بعد مجھے اس مدت کے عوض مقرر رقم کے ساتھ مزید اتنی رقم دو گے۔ عروض کی طرح اجل کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر قیمت لگائی جاتی اجل میں مالیت وتقوم کی حقیقت معدوم ہونے کی وجہ سے داین کو اصل رقم پر بغیر کسی معاوضہ کے زیادت دی جاتی۔ جس کو قرآن نے حرام قرار دیا۔ شیخ عبدالرحمن الجزیری ربٰو کی تقسیم کرتے ہوتے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وینقسم الی قسمین الاول ربا النسیة وھو ان تکون الزیادۃ المذکورہ فی مقابلة تاخیر الدفع .... لاخلاف بین ائمة المسلمین فی تحریم ربا النسیة وھو کبیرۃ من الکبائر بلا نزاع له[1]	ربٰو کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم " ربوا النسیہ " یہ وہ ہے کہ جس میں مذکورہ زیادتی تاخیر سے دینے کے مقابلہ میں دی جاتی ہے ----- اکابرین امت میں اس کی حرمت میں کسی کا اختلاف نہیں یہ بالاتفاق گناہ کبیرہ ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو مفسرین، فقہاء، محدثین اور دوسرے ارباب تحقیق کی تحریرات میں نظر آتی ہے۔ شاید تعبیر میں کوئی مبالغہ نہ ہو۔ کہ ہم اس سے یوں کہیں کہ یہ زیادتی اجل کا معاوضہ ہے۔

لیکن اس کے مقابلہ میں زیر نظر معاملہ میں یہ مفروضہ زیادتی معاوضہ کی حیثیت سے نظر نہیں آتی۔ نہ مقررہ میعاد کی کوئی قیمت مقرر کی جاتی۔ اور نہ اس کو عاقدین مبیعہ کا کوئی جز تسلیم کرتے ہیں تاکہ کسی وقت مقررہ قیمت، مبیعہ اور اجل پر تقسیم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے عام فقہاء اس زیادتی کے لیے بعوض الاجل کی بجگہ " لاجل الاجل " کی علت

---

[1] الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۲۴۵

ذکر کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ "یزاد فی الثمن لاجل الاجل" ابن عابدینؒ اور ابن نجیمؒ فرماتے ہیں۔ "ویزاد فی الثمن لاجلہ" گویا دونوں کا بنیادی فرق یہی ٹھہرا کہ ادھار کے معاملہ میں زیادتی "لاجل الاجل" اور "ربوا النسیہ" میں زیادتی بعوض الاجل ہے۔ ایسے واضح فرق ہونے کے باوجود پھر بھی یہ معاملہ ربوا کی ذیلی قسم قرار دینا غلط فہمی یا سینہ زوری ہے۔ تاہم یہ فرق باریک ہے شاید اس فرق کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہوسکے مثلاً ایک شخص کراچی سے پشاور تک ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے تو اصل کرایہ تین سو روپے ہے جو کسی گاڑی میں اپنی سیٹ مقررہ مسافت تک اس قیمت پر لے سکتا ہے۔ لیکن اس گاڑی میں ایئر کنڈیشن سیٹ کا کرایہ پانچ سو روپے لگایا جاتا ہے لہٰذا دونوں کرایوں کو مدنظر رکھ کر ہم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل کرایہ تین سو روپے ہے لیکن موخر الذکر سیٹ کے کرایہ میں یہ اضافہ محض سہولیات اور رعایات کے اضافہ کی وجہ سے ہے یہ اضافہ کسی سہولت کا معاوضہ نہیں۔

ایسا ہی یہاں پر معاملہ ہے کہ ادھار میں یہ زیادتی کسی اجل کا معاوضہ نہیں تاکہ اس کو حرام اور ممنوعہ معاملات میں شمار کیا جاسکے بلکہ یہ "النقد خیر من النسیة" کو مدنظر رکھتے ہوئے موخر ادائیگی کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ نقد وصولی میں مشتری کو بروقت ادائیگی کی زحمت ہو۔ لیکن بائع کو فائدہ ہوگا۔ جبکہ تاخیر سے ادائیگی میں مشتری کو سہولت دی جاتی ہے اور بائع کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لیے قیمت فروخت نسبتاً زیادہ لگائی جاتی ہے تاکہ بائع بطیب خاطر ادائیگی کے لیے تیار رہے اور مشتری بھی اپنی سہولت کو مدنظر رکھتے خوشی سے قیمت ادا کرے۔

۲۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ حرام معاملہ میں ایسی دو اشیاء کا تبادلہ ہے۔ جن کی جنس اور قدر آپس میں متحد ہے کیونکہ دائن جب مدیون سے معاہدہ کے اختتام پر یہ کہتا ہے کہ اگر ابھی میرے پیسے مثلاً ایک ہزار روپے نہیں دیتے ہو تو چھ مہینوں کے بعد ایک ہزار کی جگہ پندرہ سو روپے دوگے گویا اس میں تبادلہ عرض اور ثمن کا نہیں رہا کیونکہ اختتام معاہدہ پر دائن کا حق مبیعہ نہیں رہتا۔ بلکہ مبیعہ کی قیمت رہی تو تبادلہ رقم کا رقم سے آیا۔ ایسی حالت میں لازمی بات ہے کہ جنس اور قدر کی موجودگی میں تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں آیا۔ جو قطعی حرام ہے۔

لیکن زیرنظر معاملہ میں یہ صورت بالکل نہیں۔ یہاں پر تبادلہ مبیعہ اور ثمن کا ہے اوّل ہی سے بائع اور مشتری کے درمیان ایجاب وقبول میں یہی قیمت منظور نظر رکھی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جہاں بیع مطلق کی تعریف صادق یعنی مبیعہ اور ثمن کا تبادلہ ہو تو تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں بائع اور مشتری کے درمیان نقد قیمت پر معاہدہ طے پاتے۔ بعدازاں مشتری نقد ادائیگی سے قاصر ہو۔ اور یہ کسی معاوضہ کی وجہ سے ثمن کی ادائیگی مؤخر کرے تو اس وقت یہ معاملہ لازمی طور پر ربوا النسیہ کے مترادف ہے۔ کیونکہ نقد ادائیگی پر معاہدہ کے وقت

بائع کا حق ابھی مقررہ ثمن کے مقدار میں متعین ہوا۔ تو ابھی اجل کی وجہ سے زیادتی نہیں اس مقررہ حق کے مقابلہ میں سمجھ جو نا جائز ہے۔

دوسری وجہ کی کمزوری جہاں تک موصوف کی دلیل کے دوسرے حصہ کا تعلق ہے تو یہ بھی شبہ سے خالی نہیں یہ مشکل ہے کہ بیع باطل کی تعریف زیر نظر معاملہ پر صادق ہو۔ اس کے بطلان کے لیے ہم پہلے ایک مقدمہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ عقد بیع میں ایجاب وقبول کے بعد جب تک اس عقد کا فسخ ہو کر کسی دوسرے معاہدہ کی تجدید نہ ہو، تو کمی اور زیادتی کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی۔ شلا بائع اور مشتری ایجاب وقبول کر کے معاہدہ کریں۔ بعدازاں بائع مقررہ مبیعہ کے ساتھ یا مشتری مقررہ قیمت سے کوئی زیادتی ادا کرے تو اس کی نسبت اصل عقد کی طرف کی جائے گی۔ چنانچہ استحقاق کی صورت میں یہ کمی اور زیادتی لازمی طور پر ظاہر ہو گی فقہاء کرام لکھتے ہیں۔

ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن	مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے قیمت میں
ویجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع	زیادتی کرے جبکہ بائع مشتری کو مبیعہ میں اضافہ کر سکتا
یجوز ان یحط عن الثمن ویتعلق	ہے اور قیمت میں کمی بھی جائز ہے استحقاق ان تمام
الاستحقاق بجمیع ذلک فالزیادة	سے متعلق ہوگا۔ پس کمی اور زیادتی ہمارے نزدیک
والحط یلتحقاق باصل العقد عندنا [1]	اصل عقد سے ملحق ہوتی ہے۔

اس قاعدہ پہ چلتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیر نظر معاملہ میں قیمت میں یہ زیادتی اصل مبیعہ کے عوض میں آتی ہے۔ اگر قیمت نقد کی صورت میں کم ہو یا ادھار کی صورت میں زیادہ ہو۔ ہر دونوں صورتوں میں مبیعہ کی قیمت سمجھی جائے گی۔ تو بیع باطل کی تعریف "مایوخذ من الانسان بغیر عوض" یا "مالم یکن فی مقابلة شئ حقیقی" مروجہ معاملہ پہ کبھی صادق نہیں۔ اس میں یہ کبھی نہیں۔ کہ بائع کو زیادتی بغیر عوض ملی۔ بلکہ تمام قیمت مبیعہ کی ہے اصل اور اضافہ دونوں کے درمیان ایسا شدید اتصال موجود ہے کہ دونوں کی ایک دوسرے سے جدائی متصور نہیں یہ کبھی نہیں کہا جاتا ہے کہ اس قیمت کا اتنا حصہ مبیعہ کا ہے اور اتنا حصہ درمیان میں اجل کا ہے۔ آخر کار "اجل" میں اتنی قوت کہاں ہے جس کو مبیعہ شمار کیا جا سکے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:۔

لان الاجل فی نفسه لیس بمال فلا یقابله	کیونکہ اجل بذات خود کوئی مال نہیں۔ پس حقیقت میں
شئ حقیقة اذا لم یشترط زیادة الثمن	جب ثمن کی زیادت قصداً اس کے عوض میں شمار نہیں

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۵۲

بمقابلة قصدا ویزاد فی الثمن لاجله اذا ذکر الاجل بمقابلة زیادة الثمن قصدا[1]

کی گئی ہو۔ تو کوئی چیز اس کا معاوضہ نہیں۔ البتہ قیمت میں زیادتی کی جاسکتی ہے جبکہ اجل زیادت ثمن کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو۔

بہر حال بیع باطل کی تعریف اس پر صادق نہیں اس لیے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" کی رو سے یہ ناجائز نہیں بلکہ" الا ان تکون تجارة عن تراض منکم " کی رو سے جائز ہے۔ قسط وار ادائیگی کی صورت میں مشتری کی سہولت کو مد نظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشتری بیک وقت ادائیگی کے تحمل کے بوجھ سے چھٹکارا پاکر معمولی اضافہ برداشت کرنے پر لازمی طور پر خوش ہوگا۔ ورنہ ممکن ہے کہ مشتری کو کہیں بیک وقت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں مبیعہ کی خریداری سے محروم ہونا پڑے۔ اس لیے مشتری کی رضامندی نہ ہونے کا دعویٰ کرنا خلاف واقع ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر بائع احسان سے کام لے کر کم قیمت پر مبیعہ فروخت کرنے پر تیار ہو تو اس سے مشتری کو خوشی حاصل ہوگی۔ لیکن اس سے مزید ایک خوشی کی اور صورت بھی ہے کہ بائع محض اللہ کی رضامندی کے لیے مبیعہ بغیر کسی عوض کے مجاناً مشتری کے حوالہ کرے۔ لیکن اس کو معاشرہ کا لازمی حصہ قرار دینا، یا ہر ایک کو احسان کا پابند کرانا شریعت کے عادلانہ نظام سے متصادم ہے۔ کیونکہ شریعت کسی پر ایسے اضافی بوجھ ڈالنے کے حق میں نہیں البتہ تقویٰ اور نیکی حاصل کرنے دروازے دونوں پہر ہر وقت کھلے ہیں۔

تیسری وجہ کی کمزوری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربوٰا ہے" کا حکم بھی بظاہر اس معاملہ پر چسپاں کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ حکم وہاں ہے جہاں قرض کی موجودگی میں داین مدیون سے کسی مادی منفعت کا استفادہ کرے۔ ظاہر ہے یہ حکم وہاں ہو سکتا ہے جہاں قرض کا معاملہ باعتبار وجود منفعت کے حصول سے مقدم ہو۔ لیکن یہاں پر معاملہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے یہ کبھی نہیں کہ پہلے قرض دے کر پھر منفعت کا معاملہ ہوتا ہے بلکہ اس معاملہ سے ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے فائدہ یعنی مشتری کو دینے میں سہولت کا فائدہ اور بائع کو قیمت میں مالی فائدہ آیا گویا ظاہری انتفاع کا دائرہ ایسا بھی نہیں جو صرف داین کی ذات تک محدود ہے بلکہ داین اور مدیون دونوں اس فائدہ سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تاہم کسی غیر واقعی اور امکانی احتمال شبہ انتفاع کی وجہ سے ممکن ہے اس عقد پر غیر مستحسن کا حکم لگایا جاتا ہے جو خواص کے دائرہ تک محدود رہتا۔ لیکن اس کو بالکل حرام اور ناجائز قرار دینے کا حکم دوسرے اصول سے بھی متصادم ہے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کی ۹۸ فیصد آبادی اس کاروبار میں مبتلی ہے کسی جواز کے احتمال کے ہوتے ہوتے حرام کے کھاتے میں ڈالنا دانشمندی نہیں۔ جہاں کہیں جواز کا امکان ہو اور یہ احتمال کسی شرعی نص سے بظاہر متصادم نہ ہو تو جواز کے معاملہ کیلئے ایسے احتمال کو بنیاد بنانا اوفق بالروایت والدرایت ہے اگرچہ حرمت کے لیے دوسری جانب میں کوئی احتمال نظر آتا ہے۔ تاہم تقویٰ کا میدان اس سے الگ ہے جن کے لیے ایسے مشتبہات سے بچنا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] ردالمحتار علی الدر المختار المعروف بشامی ج ۴ ص ۱۵۸

Safety
instant milk

مولانا نور محمد دا، جنوبی وزیرستان

تحریک شاہ ولی اللہؒ کا ہدف فکّ کل نظام

روسی زوال اور امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے اضمحلال کے بعد اسلامی نظام کو متعارف کرنے کی ضرورت

(۲)

شیخ الہندؒ آزمائشوں کی آغوش میں

شیخ الہند کے کندھوں پر ولی اللہی تحریک انقلاب کی ذمہ داری ایسے ماحول میں آپڑی کہ ایک طرف تو برطانیہ عظمیٰ کی جابرانہ حکومت نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کے حوالہ سے انتہائی سفاکانہ پالیسی اختیار کر لی تھی کہ ہر مخالف زبان کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر لو اور ہر مشکوک حرکت کو بے دردی سے کچل ڈالو۔

۲۔ جہاد اسلامی اور مجاہدین کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ مہم زوروں پر شروع کی تھی جہاد کی صحت کے لیے ان گنت نت نئے شروط اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ مسلمانوں میں پھیلانا، مجاہدین پر بہتان تراشیاں اور ان کے معمولی لغزشوں کو بڑھا چڑھا کر مشتہر کرانا، یہاں تک کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو جعلی نبی بنا کر ان سے جہاد اسلامی کی منسوخی کا اعلان کرانا۔

۳۔ انگریز نے مسلمانوں میں ایک ایسا ماڈرن طبقہ پیدا کیا تھا جنھوں نے اسلام اور قرآن کی ایسی تعبیرات شروع کئے تھے جن سے واضح طور پر رد اسلام اور رد قرآن کے تصوّرات ابھرنے لگے تھے، جن کے سرخیل سرسید احمد خان تھے۔

۴۔ انگریز کی ابلیسانہ چال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر فرقہ واریت کا ایسا معاندانہ فروغ ہو چکا تھا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقوں کو چھوٹے اور معمولی بلکہ غیر ضروری مسائل کی آڑ لے کر نہ صرف اسلام سے خارج کرنے کا فتویٰ دیتا بلکہ ان سے جہاد اور مقابلہ انگریز کے خلاف جہاد سے افضل قرار دیتا تھا۔

شیخ الہندؒ نے ان تمام برطانوی ہتھکنڈوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ دار العلوم دیوبند میں طلباء سے ایسے فضلاء بنانا تھا جو نہ صرف مسجد کی چار دیواری کے اندر امامت کی اہلیت اور فکر مندی کے حامل ہوں بلکہ روئے ارض کی امامت کے لیے آرزومند اور فکر مند ہوں اور ایسی امامت کے اہل بھی ہوں حضور علیہ السلام کے

قرآن کے مطابق کرۂ ارض مسلمانوں کی مسجد ہے "جعلت لنا الارض مسجداً" ایسے افراد تیار کرنا جو اندھیری راتوں میں عبادت گذاری کے لحاظ سے "رہبان" اور میدان جہاد کے شہسوار "فرسان" ہوں "بالّیل رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ" ان جملہ فرائض کو شیخ الہندؒ نے ایسے احسن طریقے سے نبھایا کہ ایک طرف تو پوری ہندوستانی ملت کو بلاامتیاز رنگ ونسل، مذہب ومسلک انگریز سامراج کے مقابلہ میں ایک پلیٹ فارم پہ جمع کر دیا۔ تو دوسری طرف مذکورہ صفات کے حامل شاگردوں کو متحدہ مقبوضہ ہندوستان کے اندر، اور آزاد قبائل، افغانستان، روس، ترک اور عربستان تک پھیلا دیتے۔

ے کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول پھر بھی وہ کھلا ہی رہتا ہے کیا خوش مزاج ہے

شیخ الہند کے بلا واسطہ اور بالواسطہ چند شاگردوں کا ذکر خیر بھی سنتے جاتیے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے عظیم کارناموں کو اگر کسی ایک جملے میں کوئی سمو دینا چاہے تو مناسب ہوگا کہ آپ کو شیخ الہندؒ کے اسلامی انقلاب کا وزیر داخلہ کہا جاتے جس نے ہر حال میں اس عہدے جیسا کردار کماحقہ ادا کیا، جزائر انڈمان (کالاپانی) میں شیخ الہند کے ساتھ اسیر رہا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے وزیر خارجہ جیسا تاریخی کردار ادا کیا یہاں تک کہ اسلامی نظام کی حقانیت اور اہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے ۱۹۲۲ء میں ماسکو جا کر اشتراکیت کے امام لینن کو سمجھانے کی مؤثر کوشش کی حتی کہ لینن نے تسلیم کیا کہ مولانا صاحب اگر اسلامی نظام ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے خاکہ پیش کیا، تو یقیناً انسانیت کے جملہ مسائل اور مشکلات کا حل اس سے بہتر کوئی نظام پیش نہیں کر سکتا مگر کاش کہ مجھے اس کا علم ابتداء سے ہو چکا ہوتا، لیکن اب جب کہ ہم نے مارکسیزم کے نفاذ کے لیے لاکھوں انسانوں کا خون بہا دیا ہے اب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے افغان حکومت، اور افغان عوام اور آزاد قبائل کو اسلامی انقلاب لانے کے لیے متحدہ ہندوستان پر قابض انگریز سامراج کے خلاف منظم اور مربوط جہاد شروع کرنے پہ آمادہ کرنے کے لیے شیخ الہندؒ کے حکم سے ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۲ء تک سات سال کابل میں گذارے، ترکی اور حجاز مقدس تک تشریف لے گئے تاکہ مسلمان ممالک کو متحد کرنے کی راہ ہموار کی جا سکے، غرض یہ کہ جملہ باطل نظاموں کو جڑ سے نکال کر بزور شمشیر (اسلامی جہاد) اسلامی انقلاب کا ولی اللّٰہی منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے شیخ الہندؒ سے اسلامی علوم کی سند فراغت حاصل کرنے والے مولانا سندھیؒ نے عمر عزیز کے ۲۴ سال سفر میں گذار دیتے۔

ے جبین پہ گرد رہِ عشق لب پہ مہر سکوت دیارِ غیر میں پھرتا ہوں آشنا کے لیے

مولانا عبدالرزاق افغانی، عرف حاجی عبدالرزاق صاحب شیخ الہندؒ کے شاگردوں میں ایک عظیم شخصیت

تھے۔ آپ کی حیثیت کابل میں تحریک شیخ الہندؒ کی سفیر اور قبائل میں فوجی جرنیل کی سی تھی۔ گنگوہ اور دیوبند میں شیخ الہند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی آبائی سرزمین افغانستان میں حکومت کے اہم عہدوں پر فائز رہے، سردار عنایت اللہ کا اتالیق رہا، دورۂ ہند میں ان کے ساتھ تھا، سردار نصر اللہ خان کا ناظر اور معتمد خاص تھا، کابل یونیورسٹی مدرسہ سلطانیہ کا سربراہ رہا جس میں وہ فلکیات پر لیکچر دیتا تھا، چیف جسٹس قاضی القضاۃ کے عظیم عہدہ پر فائز رہا۔ شیخ الہندؒ کے تحریک جہاد کے محرکین، مجاہدین اور مہاجرین کے جملہ ذمہ داریاں کابل میں آپ کے ذمہ تھیں۔

مولانا سندھی اور دیگر وفود ماسکو وغیرہ ممالک بھیجنے کے لیے پاسپورٹ آپ کے دستخط سے جاری کیے جاتے، دیکھیے تحریک شیخ الہند یا ریشمی رومال، ۱۹۱۹ء میں غازی امان اللہ خان والی کابل نے برگیڈیر شاہ الدولہ کی کمان میں توپ بردار فوج حاجی عبدالرزاق صاحب کی سرپرستی میں جنوبی وزیرستان بھیجی، بمقام برمل (انگوراڈہ) احمدزئی وزیر نے شیخ الہندؒ کے عظیم شاگرد، ولی اللہی تحریک "فک کل نظام" کے نڈر سپاہی حاجی عبدالرزاق صاحب اور ان کی افغان فوج کا، اپنے مذہبی رہنما حمزاللہ ملا صاحب عرف سرخائی آباد (سرخ باپ) مولانا حاجی محمد صاحب عرف قاضی صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب کی قیادت میں زبردست استقبال کیا، یاد رہے کہ وزیرستان میں انگریز افواج کے خلاف جہاد کے اہم ترین کارناموں کے لیے حمزہ اللہ ملا صاحب وزیر، اور آپ کا شاگرد پاوندہ ملا صاحب محسود، حاجی عبدالرزاق کے بازو تے شمشیر زن تھے۔

حاجی عبدالرزاق صاحب اور افغان فوج ابھی انگوراڈہ برمل میں تھی کہ احمدزئی وزیر مجاہدین وانا چھاؤنی پر راتوں رات ٹوٹ پڑے اور انگریز فوج کے چند گنتی کے افراد ژوب بلوچستان اور چند ٹولہ بھاگنے میں کامیاب ہوتے اسی رات رزمک چھاؤنی سے بھی فوج بھاگ نکلی اور چند دنوں میں پورے آزاد قبائل سے انگریز کے منحوس قدم اٹھ گئے اس طرح شیخ الہندؒ کے عظیم شاگرد حاجی عبدالرزاق صاحب نے ۶ ماہ تک آزاد قبائل پر حکمرانی کی جس کا مرکز جنوبی وزیرستان کا صدر مقام وانا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ کی انقلابی تحریک کا چوتھا مرحلہ

شاہ ولی اللہؒ کے جانشینوں کی مسلسل اور انتھک مجاہدوں کے نتیجہ میں برطانیہ عظمیٰ کی عظیم اور وسیع گورنمنٹ جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا کا زوال ۱۹۴۷ء میں شروع ہوا جس کی ابتداء برصغیر متحدہ ہندوستان چھوڑنے سے ہوئی۔

لیکن افسوس کہ اس طویل اور خونچکاں جہاد کا ثمرہ تاریخی لحاظ سے اور مادی لحاظ سے ان لوگوں کی جھولیوں میں ڈالا گیا جنھوں نے انگریز کی مخالفت میں نہ تو ایک دن زندان خانہ دیکھا نہ جلا وطن ہوئے، نہ ان کی جائدادیں

ضبط ہوئیں، نہ ان پر انگریز فوجوں کے ہاتھوں ایک سنگریزہ لگا، اور نہ کبھی انگریز کے معتوب رہیں۔ مگر پھر بھی وہ سب کچھ بنیں، یہاں تک کہ آج نئی نسل کی عمومی ذہنیت یہی ہے کہ ۱۹۴۷ء میں اچانک حادثاتی طور پر یا جلسے جلوسوں کے دباؤ سے انگریز متحدہ ہندوستان چھوڑنے پر مجبور رہوا اور پھر متحدہ ہندوستان تقسیم ہوکر ہندوستان اور پاکستان بنا اور متحدہ ہندوستان کو انگریز کے ہاتھوں سے چھیننے والوں کا تو کوئی نام تک نہیں جانتا اگر جانتا ہے تو ان حضرات کو جنہوں نے اس مال غنیمت کو تقسیم کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

ع گلشن کے لیے خون جگر کس نے دیا تھا ؟

اس پر مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ آج لیڈران قوم برصغیر کے دو سو سالہ تحریک انقلاب اسلامی کا منزل مقصود قوم کے سامنے معمہ بنانے کی کوشش میں ہیں ، کوئی کہتا ہے کہ آزادی ، روٹی کپڑا اور مکان کے لیے حاصل کی تھی، کوئی کہتا ہے کہ جمہوریت کے نفاذ کے لیے آزادی حاصل کی تھی تو کوئی کہتا ہے کہ صوبائی اور قومی خود مختاری کے لیے آزادی مانگی تھی۔ بلکہ یار لوگ تو یہاں تک کہتے نہیں تھکتے کہ اسلامی نظام نافذ کر کے ملاازم کے لیے تو ہم نے آزادی حاصل نہیں کی تھی، حالانکہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ماضی کی طرف جائیے اور انگریز سامراج کے خلاف ولی اللّٰہی تحریک انقلاب اسلامی کی سو سالہ تاریخ پڑھتے جائیے ان مدعیان آزادی کے آباء و اجداد میں شاید اکا دکا کوئی ملے کہ اس نے انگریز سامراج کے خلاف آواز اٹھائی ہو بلکہ بیشتر نے خود اور ان کے آباء و اجداد انگریزوں کے بوٹ پالش کرتے یا ان کے گھوڑوں کے رکاب دار تھے۔

• ولی اللّٰہی تحریک انقلاب اسلامی کا پانچواں اور فیصلہ کن مرحلہ

گذشتہ مضمون تو درحقیقت ایک تمہید تھا اس غرض کے لیے کہ آج ۱۹۹۷ء کے وارثان نبوت، جانشینان ولی اللّٰہی تحریک انقلاب اسلامی، مجاہدین اسلام، اور معلمین و متعلمین کے لیے خود شناسی کا کام دے " من عرف نفسہ فقد عرف ربہ " اور موجودہ وقت کو غنیمت سمجھے۔ لہٰذا گذشتہ مضمون سننے اور سیکھنے کے لیے تھا آئندہ چند وہ باتیں پیش خدمت ہیں جن کا عملاً کرنا آج وقت کا اہم ترین تقاضا ہے اور ہمارا اسلامی فریضہ ہے۔

آج جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ دین جمہوریت جیسے ام الاباطیل نظام (جملہ باطل نظاموں اور نظریوں کی جڑ) کا سر بفلک ملمع عمارت کا ایک آدھا حصہ (اشتراکی جمہوریت) اس بری طرح پاش پاش ہوکر زمین بوس ہوا کہ اس کے بنانے والے بھی اس کے سایہ کے نیچے بیٹھنے سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہوچکے ہیں۔ اور دوسرا آدھا حصہ (سرمایہ دارانہ جمہوریت) رو بہ زوال ہے جس کا ثبوت پرانے شکاری کا نیا جال (نیو ورلڈ آرڈر) ہے جیسے میں ذکر کرچکا ہوں۔ یہ شواہد اس بات کے غماز ہیں۔

۱۷۳۱ء میں ایک مرد قلندر کے منہ سے "فک کل نظام" (تمام باطل نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دو) کا جو نعرۂ قلندرانہ نکلا تھا۔ اس کے پیچھے مشیت ایزدی کارفرما تھی۔

ع گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

نادمان اسلام کے لیے زمانہ کی یہ کروٹ اور باطل نظاموں کی اس تیزی سے شکست وریخت غنیمت باردہ ہے۔

ع زمانِ خوش دلی دریاب دریاب کہ دائم در صدف گوہر نباشد

چند تجویزیں اور مشورے

۱۔ شاہ ولی اللہ رحمہ نے انقلاب اسلامی "فکّ کل نظام" کا منصوبہ سفر حجاز مکہ مکرمہ میں مرتب فرمایا اور یقیناً آپ نے اس کو سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کیا ہے، وہ اس طرح کہ اگر اسلامی انقلاب اور حقیقی اسلامی ریاست کا قیام تلوار اور جہاد کے بغیر کسی مؤثر وعظ، دھواں دار تقریر، بلیغ دعوت وتبلیغ، اصلاح باطن، زہد وتقویٰ، قوت ایمانی، عبادات اور دعاؤں سے ممکن الحصول ہوتا تو مدنی زندگی اور مدنی آیات قرآنی کا یہ رنگ ہرگز نہ ہوتا جو ہم دیکھ رہے ہیں، مدنی سورتوں اور آیتوں کو اٹھا کر پڑھیے ہر طرف تلواروں کی جھنکار، تیروں اور نیزوں کی بارش ہے، اور کہیں جبرئیل علیہ السلام کی کمان میں مسلح فرشتوں کی دستے میدان جنگ بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ بذات خود فنون جنگ کی تعلیم وتربیت دے رہا ہے۔ تو کہیں حملہ آور تیز رفتار گھوڑوں کی ہانپنے سے فضا گونج اٹھتی ہے اور ان کے سموں سے پیدا شدہ برق پاشی سے آنکھیں چندھیا رہی ہیں اور ان کی تیز دوڑ سے آسمان کی طرف اٹھا ہوا غبار یوں دکھائی دیتا ہے گویا کہ زمین اوپر اٹھی ہوئی ہے۔

حضور علیہ السلام جیسے انسان جو کہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مصداق ہیں کو کیوں میدان جنگ میں سینہ سپر ہونے کا حکم دیا جاتا؟ آپ کے دندان مبارک کو کیوں شہید کروایا جاتا؟ آپ کے جسم اطہر کو کافروں کی سنگباری اور ضربات سے کیوں لہولہان کیا جاتا؟ آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم، جن کے گرد پا تک کوئی غوث، قطب اور ولی کامل نہیں پہنچ سکتا، ان کے کلیجے دشمنوں سے کیوں چبوائے جاتے؟ اور ان کے ناک کان کیوں کافروں کے ہاتھوں کٹوائے جاتے؟ ان مقدس ہستیوں کو کیوں حکم دیا جاتا ہر وقت مسلح اور مقابلہ کے لیے تیار رہو حتیٰ کہ دوران نماز میں بھی کلی طور پر یکسوئی سے نماز نہ پڑھو بلکہ مسلح رہتے ہوئے دوران نماز دشمن پر نگاہ رکھے ہو دشمن اسی تاک میں ہے کہ جوں ہی تمہیں غیر مسلح اور مقابلہ سے غافل پائیں تو تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔

واضح رہے کہ یہاں مدنی سورتوں اور مدنی زندگی کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا یہ زبان قلم کی مبالغہ

آرائیاں نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کے مضامین کا ترجمہ ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے انقلاب اسلامی کے لیے جہاد کو ضروری ٹھہرایا۔

۲۔ شاہ ولی اللہؒ جہاد بالسیف سے پہلے اصلاح باطن، تزکیہ نفس، عقیدے اور نظریئے کی پختگی مقصد پر قربان ہونے کا جذبہ اخلاص نیت اور للہیت کو ضروری ٹھہراتا ہے۔ جو کہ قرآن کی دعوت و تعلیم کے زور سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدنی زندگی سے پہلے مکی زندگی میں اسی پہلو کو جہاد پر مقدم رکھا گیا۔

شاہ ولی اللہؒ نے فیوض الحرمین، میں باطنی انقلاب اسلامی کو "خلافت باطنہ" کہا ہے جو کہ دعوت و تعلیم سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ تلوار کے زور سے اور ظاہری انقلاب اسلامی، یعنی اسلامی حکومت اس کو "خلافت ظاہرہ" کا نام دیا ہے جس کے حصول کے لیے جہاد بالسیف شرط اول ٹھہرایا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے مذکورہ دونوں چیزوں کو ایسا لازم و ملزوم ٹھہرایا کہ کسی ایک کے بغیر حقیقی اور کامل انقلاب اسلامی نہیں لایا جاسکتا ہے اور مسلمان کا مقصد حیات حقیقی انقلاب اسلامی برپا کرنا ہی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے شاگردوں کے لیے تعلیم و تعلّم کے ساتھ عسکری ٹریننگ کے مراکز بھی قائم کیے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ولی اللہی مکتب سے جو کوئی پڑھ کر باہر آتا وہ میدان جہاد کا شہسوار بن کر نکل آتا، اور میدان جہاد میں یکتا ہوتا تو وہ للہیت اور اخلاص کا پیکر ہوتا۔

بعینہ اسی نہج کی پیروی شاہ عبدالعزیز، حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، شیخ الہند محمود الحسن، شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، امام انقلاب عبید اللہ سندھی، امام الہند ابوالکلام آزاد اور دیگر اکابرین دیوبند رحمہم اللہ نے کی۔ تفصیل آپ نے تمہید میں پڑھ لی ہے۔ چونکہ شاہ ولی اللہؒ اور آپ کے جانشینوں نے اسلامی انقلاب لانے کے لیے یہ طریقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی آسمانی سے اخذ کیا تھا، لہٰذا قیامت تک کسی بھی اور طریقہ سے اسلامی انقلاب برپا کرنے کی امید باندھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

ع ایں خیالست و محالست و جنوں

ایک تاریخی شہادت تاریخ گواہ ہے کہ ولی اللہی قافلۂ انقلاب اسلامی کا نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم و تربیت اتنا لچکدار تھا کہ حالات اور تقاضائے زمانہ کے ساتھ ممکنہ حد تک دوش بدوش رواں تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کی تربیت گاہوں سے صرف مسجد کی چار دیواری کے اندر تک محدود نگہبانان دین، امامان قوم اور جنگجویان فرقہ واریت نہیں نکلتے تھے بلکہ روئے زمین کو مسجد بنانے، ایسی مسجد کی امامت کرنے، اور ایسی مسجد کو طاغوتی نظاموں کی عسکری اور نظریاتی غلبے سے تحفظ دلانے کے دانایان کار اور ماہرین فن اور مردان میدان نکلتے تھے۔

مثلاً اس وقت کے میدان جنگ کے ضروری اور عمومی فنون، گھوڑسواری، تیر وتلوار اور بندوق وغیرہ کی نشانے بازی کی مہارت میں علماء اور طلبا شہسوار تھے، یورپ کے فلسفہ باطلہ فلسفۂ یونان، باطل نظریوں کے منطق اور علم کلام کے نشیب و فراز اور تردید کے امام تھے، اس وقت کی نظریاتی سائنس، علوم فلکیات پر انہیں دسترس تھا، اور غیر ملکی غیر اسلامی زبانوں کے نہ صرف ماہر بلکہ اس میں تصنیفات کر رہے تھے جن میں سے اس وقت کی فارسی جیسے سپر پاور کی زبان کو لیجئے اس جیسے بکثرت علوم وفنون اس وقت کی ضرورت کے پیش نظر اسلامی نظام تعلیم میں داخل کر کے طلباء کو پڑھاتے اور سکھاتے جاتے تھے۔

موجودہ دور میں اسلامی مدارس کا نظام تعلیم، طریقہ تعلیم

مگر موجودہ طریقہ تعلیم کے نتیجہ میں انقلاب اسلامی کے لیے عموماً وہ افراد تیار ہوتے ہیں جو کہ ایک طرف تو الیکشن لڑنے انتخابی نعرہ بازی، زندہ باد مردہ باد، نعت خوانی، جھنڈیاں لہرانا، در و دیوار پر عجیب وغریب تحریرات کرنے کے شہسوار ہوتے ہیں تو دوسری طرف معمولی فروعی اختلافات پر فتوی بازی، بیان بازی اور اپنے ہم جنسوں اور مدعیان انقلاب اسلامی کے ساتھ مشت وگریبان ہونے کے لیے سرکھف گھومتے پھرتے ہیں۔ مگر ان میں نہ تو جہاد بالسیف کا جذبہ اور ولولہ دیکھنے میں آتا ہے اور نہ ہی انقلاب اسلامی لانے کے لیے جہاد ضروری سمجھتے ہیں بلکہ ایسوں کی آج بھی کمی نہیں جو جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر یا جہاد فلسطین وغیرہ کو جہاد نہیں سمجھتے ہیں اسے روس اور امریکہ کی جنگ ٹھہراتے ہیں، نہ جانے کہ ان حضرات کے نزدیک جہاد نام کا کوئی چیز آج کہیں ہے بھی؟۔

اس سوچ کے نتیجہ میں آج بیشتر جانشینان علماء ہند ان بیشتر اسلحہ جنگ (جسے عام طور پر عوام الناس استعمال کرتے ہیں) کا نام تک نہیں جانتے ہیں چہ جائے کہ ان کا استعمال۔ یہ کمی نصاب تعلیم میں کمی کے باعث نہیں کیونکہ قرآن وحدیث جہاد کی اہمیت اور احکامات سے بھرے ہیں۔ بلکہ یہ نقص طرز و طریقہ تعلیم وتربیت کا ہے۔

اس کمی کی تلافی کا واحد ذریعہ

۱۔ طریقہ تعلیم میں اتنا اضافہ ہونا چاہیے کہ معلمین اور متعلمین کا علم الیقین ہو جائے کہ حقیقی انقلاب اسلامی تا وقتیکہ ناممکن ہے جب تک وہ راستہ اختیار نہ کیا جائے جو راستہ رب العلمین نے اس مقصد کے حصول کے لیے متعین فرمایا اور حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے لیے اس متعین کردہ راہ پر چلنا فرض عین ٹھہرایا جس پر مدنی زندگی گواہ ہے، جو کہ جہاد بالسیف ہے، اس کے ساتھ اس نظریئے اور عقیدے کا مٹانا بھی ضروری ہے کہ مروجہ دین جمہوریت کے تحت انتخابات کے ذریعے سے اسلامی انقلاب لایا جاسکتا ہے، میں پوری بصیرت سے کہتا ہوں کہ مروجہ انتخابات ہزار سال تک لڑتے رہو نتیجہ ہر بار وہی نکلے گا کہ "اِثْمُهُ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهٖ" لہٰذا مکی دور

بعینہٖ ایسا جیسے کہ ہم اپنے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کی مخالفت کرنے والوں، آپ پر تنقید کرنے والوں، مثلاً امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، ہم ان کے اختلافات اور اعتراضات کو بے جا سمجھتے ہیں ان کی بڑے اعتماد کے ساتھ دلائل سے تردید کرتے ہیں لیکن لمحہ بھر کے لیے ان کے خلاف نہ تو ہمارے دلوں میں نفرت ہوتی ہے نہ عداوت یہاں تک کہ اس کے برعکس ہمارے دلوں میں اتنی عقیدت اور محبت ہوتی ہے کہ ان کا نام بھی احترام کے ساتھ لیتے ہیں۔

بس یہی برتاؤ ہر مخالف سے کرنا، امت کے جوڑنے اور " وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا " کی تفسیر ہے۔

۵۔ ہمارے اسلامی مدارس کی نصاب تعلیم میں موجودہ دور اور حالات کے تقاضے کے لحاظ سے زبردست کمی اور سقم ہے، آج جب ہم دیکھتے ہیں کہ وسیع ترین کرۂ ارض سمٹ کر ایک گھر کا صحن بن کر رہ گیا اور یہ بلند ترین اور وسیع ترین آسمان اسی گھر کا منقش اور مزین چھت کی حیثیت اختیار کر گیا۔ کائنات خلیفۃ اللہ (انسان) کے سامنے اس حد تک قدرت نے مسخر اور مطیع کر دی، کہ ہوا حضرت انسان کی مٹھی میں قید ہے، لہٰذا انسان کے اشاروں پر ناچتا ہے، سورج اور آگ (بجلی) کی حرارت سے ٹھنڈک پیدا کرتا ہے اور ٹھنڈک (پانی) سے حرارت پیدا کرتا ہے، ذرّے کا جگر چیر کر عظیم قوت حاصل کر لیتا ہے۔

ایسے احوال میں اگر مجاہدین انقلاب اسلامی خون کا نذرانہ پیش کر کے انقلاب اسلامی لے آتے تو اسے نبھانے، چلانے اور کرۂ ارض پر حاوی کرنے کے لیے جن رجال کار کی ضرورت ہوگی وہ ہمارے مدارس پیدا نہیں کرتے ہیں اس کے لیے صرف علوم الملائکہ (علوم الطاعات والعبادات) کافی نہیں ہوں گے۔ جو کہ تقوی، معصومیت تسبیح اور تقدیس تک محدود ہو (قَالُوْا نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط) (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ه) بلکہ خلافت ارض کے نبھانے کے لیے علوم الانبیاء علیہم السلام لازم ہیں جن کے اصولاً دو شعبے ہیں۔

۱۔ علوم الطاعات والعبادات، جسے آپ آخرت کی سدھارنے کے علوم، یا علوم الملائکہ کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ علوم تسخیر کائنات، جس سے دنیاوی زندگی سدھر جاتی ہے، اسی کو آپ دنیاوی علوم کہہ سکتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کو پرندوں کے زندہ کرنے کا مشاہدہ کروانا، موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے سمندر کے جگر کے دو ٹکڑے کروانا، وشت تیہ اور صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کے لیے کھانے پینے اور سایبان (دھوپ اور گرمی سے تحفظ) کے انتظامات آپ کے ہاتھ سے کروانا، داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں دفاعی آلات جنگ زرہ تیار کروانا جس کی ترقی یافتہ شکل آج بکتر بند ٹینک، انٹی میزائل اور پیٹریاٹ میزائل کی شکلوں میں ہم دیکھتے ہیں، نیز

نبوت اور مدنی دور نبوت کو اصول انقلاب اسلامی تسلیم کرکے دعوت وتعلیم کے زور سے ذہنی انقلاب اسلامی (خلافتِ باطنہ) لانا ہوگا اور پھر بچے کھچے دشمنان اسلام کو زیر کرنے کے لیے مدنی دور نبوت اپنا کر جہاد کے ذریعہ ریاست اسلامی (خلافتِ ظاہرہ) قائم کرنا ہوگا۔

ب۔ اس پر مزید یہ کہ ابواب الجہاد کو ابواب الصلوٰۃ جیسے پڑھانا ہوگا تاکہ طالب علم کے ذہن میں جہاد کا بلند ترین مقام " ذروۃ سنامہ الجہاد " نقش ہوجائے اور پھر جہاد کے ایک ایک حکم پر معترضین کے اعتراضات کو سامنے لایا جائے اور پھر مدلل جوابات سے طلباء کو مسلح کیا جائے، نیز وفاق المدارس کے امتحانی سوالات کی فہرست میں فریضہ جہاد پر مخالفین کے اعتراضات کو شامل کیا جائے۔

ج۔ ذہنی طور پر طلباء کو عسکری ٹریننگ کے حصول کی ترغیب دی جاتی رہے تاکہ تعطیلات کے دوران جہاد کی نیت سے عسکری تربیت کا حصول عظیم فریضہ کی حیثیت سے اپنا شعار بنائے۔

عسکری تربیت کے حصول کے آسان تر مراکز

مجاہد کبیر حضرت مولانا ارشاد احمد شہیدؒ نے " حرکۃ الجہاد الاسلامی العالمی " کے نام سے جو تنظیم قائم کی ہے جس کی افادیت اور جہاد افغانستان وکشمیر میں اس کی گرانقدر خدمات محتاج تعارف نہیں اس تنظیم نے مختلف موزوں مقامات میں عسکری تربیت کے مراکز قائم کئے ہیں اور متعلمین کو بڑے پیار ومحبت سے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں لہٰذا شائقین کے لیے یہ مسئلہ اس سے پہلے کبھی اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ ذالك فضل الله تفضل علينا۔

د۔ مہمانان رسول کے دلوں میں فروعی اختلافات کی اہمیت کم کرنے اور ان میں تحمل اور برداشت کا مادہ بھرنے اور امت کے جوڑ کے فوائد کی تڑپ پیدا کرنے کا بیج بو دینا چاہیئے۔ انہیں بتانا چاہیئے کہ ہمارے اکابرین تو نیک مقاصد کے لیے ہندوؤں کو اپنانے سے گریز نہیں کرتے۔ انہیں سمجھایا جائے کہ دینِ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے اندر مذہب کا دائرہ ہے اور مذہب کے دائرہ کے اندر مسلک کا دائرہ ہے اگر کوئی مسلمان آپ کے مسلک سے متفق نہیں ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ مذہب سے خارج ہوا اور اگر وہ آپ کے مذہب سے متفق نہیں تو بھی اس کا نتیجہ ہرگز یہ نہیں کہ اسے دینِ اسلام سے خارج سمجھا جائے، البتہ اگر کوئی شخص اسلام کے قطعی الثبوت احکامات کا منکر ہو، یا اس سے ایسے افعال اور اقوال عمداً سرزد ہوتے ہوں جس کو شارع نے کفر کی علامت ٹھہرائی ہو بیشک ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اگرچہ بظاہر آپ کا ہم مسلک اور ہم مذہب ہی کیوں نہ ہو۔

نیز آپ کے مسلک اور مذہب کے مخالفت کرنے والے مسلمان سے عداوت اور نفرت ہرگز نہ کریں بلکہ اسے تحریک انقلابِ اسلامی کا سپاہی اور مسلمان بھائی سمجھنا چاہیئے اور اسے قدر واحترام کی نگاہ دیکھا جائے،

آپ کے لیے تانبے اور فولاد کا چشمہ بہانا، نوح علیہ السلام کے ہاتھوں بحری بیڑا بنوانا، سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوا مسخر کرکے تیز تر مواصلاتی نظام قائم کرنا، سلیمان علیہ السلام کے درباری عالم سے تخت بلقیس لمحہ بھر میں حاضر کروانا، سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں جنگی اہمیت کے نقشے اور فوجی چھاؤنیاں بنوانا (محاریب، تماثیل) عیسیٰ ع کے ہاتھوں علاج معالجہ کے طور پر نہ صرف مادر زاد نابینا، بینا کروانا بلکہ مردوں تک زندہ کروانا، اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ صرف امت کی آخرت سنوارنا نہ تھا بلکہ امت کی دنیاوی ضروریات بہم پہنچانا بھی ان کے ذمہ تھیں، قرآن اٹھا کر پڑھیے، جیسا کہ امت کا ہر وہ مسئلہ جس کا تعلق آخرت سے تھا اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں حل کروایا، بالکل ویسا ہی امتوں کے دنیاوی مسائل، اقتصادیات، معاشیات بحری اور بری مواصلات، خوراک آبنوشی، صحت اور جنگی مہمات کے جملہ مسائل انبیاء کے ہاتھوں حل کرواتے ہیں اور جملہ مسائل کے علوم کا مرکز بھی انبیاء علیہم کی ذات میں مرکوز ہے تو آج وارثان انبیاء کی تعلیمات کیونکر دو حصوں ہونی چاہئیں ؟

عذر لنگ یہ معذرت قابل تسلیم نہیں کہ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں جب بھی علماء کرام نے کسی مذہبی ضرورت کے لیے عوام کی طرف رجوع کیا ہے خواہ عالیشان مسجد کی تعمیر ہو، خواہ جدید تقاضوں کے مطابق کسی دار العلوم کی بلڈنگ بنانا ہو، خواہ جلسے جلوسوں کی شہ خرچیاں ہوں۔ خواہ گاؤں گاؤں مدارس کا قیام اور سینکڑوں طلباء کے خورد و نوش اور تعلیم کے مسائل ہوں، خواہ دعوت و تبلیغ کے لیے ان سے جان و مال کے مطالبات ہوں، خواہ جہاد میں خون کا آخری قطرہ بہانا ہو، قوم نے علماء کی ہر آواز پر لبیک کہا ہے۔

تو کیا اگر علماء کم از کم ہر صوبے میں ایک ایک ایسا مرکز جس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جامع تعلیمات کے انتظام ہوں، قوم کے سامنے اس کی حقیقی ضرورت پیش کریں تو یقیناً یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔

کیا ایسی تعلیم بیک وقت ممکن ہے ؟ یقیناً ممکن ہے، جنوبی وزیرستان وانا جیسے دور دراز اور پسماندہ علاقہ میں ہمارے " دار العلوم وزیرستان وانا " میں ہم نے کل وقتی نظام تعلیم رائج کیا ہے، صبح سے دوپہر تک وفاق المدارس کے نصاب تعلیم کے جملہ شعبوں، ناظرہ حفظ و قرآت اور دورہ حدیث شریف تک تمام درجات مکمل طور پر پڑھاتے جاتے ہیں، امتحانات وفاق المدارس کے تحت لیے جاتے ہیں، بحمد للہ ممتحنین کی رپورٹوں اور امتحانات کے نتائج کے لحاظ سے وفاق کے منتظمین کی نگاہوں میں طلباء کے اخلاق اور تعلیم معیاری ہے اور نماز ظہر کے بعد نماز عصر تک عصری علوم باقاعدگی سے پڑھائے جاتے ہیں چند اساتذہ تو ہم نے ایسے دریافت کیے ہیں جو مستند علماء ہیں اور ایف اے، بی اے اور ایم اے تک عصری علوم کے حامل بھی ہیں، ان سے دونوں تعلیمات کی خدمات لی جاتی ہیں اور باقی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہم نے ٹیوشن

پر ایسے پروفیسر اور اعلیٰ تعلیمی معیار کے اساتذہ متعین کیے ہیں جن کی شکل وصورت اور اخلاق معیاری ہیں چونکہ ایسے اساتذہ کی دریافت اس لیے ممکن ہوئی کہ ظہر کے بعد کالجوں اور سکولوں میں ان کی اپنی پڑھائی نہیں ہوتی ہے۔

دونوں تعلیمات کو ریگولر بنانے کے لیے ہم نے تعلیم کے مقامی انتظامیہ کے ساتھ ایسا تعلق استوار کیا ہے کہ ہمارے دارالعلوم کے طلباء وانا کے کالج، ہائی سکول اور مڈل سکولوں میں داخلہ کر لیتے ہیں امتحانات تو ہمارے طلباء ان کے قوانین کے تحت پشاور بورڈ وغیرہ کے مطابق دینے کے پابند ہوتے ہیں اس کے سوا ان کا کوئی قانون ہمارے طلباء پر لاگو نہیں ہے حتیٰ کہ ہمارے دارالعلوم کی پڑھائی اور تعطیلات وفاق المدارس کے تابع ہیں، سرکاری تعلیمی انتظامیہ دو وجوہات کی بناء پر ہمارے ساتھ یہ تعاون کر رہی ہے ایک تو دینی اور اسلامی جذبہ کے تحت اور دوسرا اس لیے کہ ہمارے دارالعلوم کے طلباء کے امتحانی نتائج سے ان کے کالج اور سکولوں کی نیک نامی ہوتی ہے، مثلاً ۱۹۹۱ء میں میٹرک کے نتائج پوری ایجنسی کی تمام درسگاہوں میں ۳۱ فیصد سے زیادہ نہ تھے جبکہ ہمارے دارالعلوم کے طلباء کا نتیجہ ۷۰ فیصد تھا۔ ہمارے دارالعلوم میں دونوں تعلیمات کا معیار اس ترتیب سے وضع ہے کہ اسلامی علوم کی سند فراغت کے حصول کے ساتھ وہ بی اے کی ڈگری بھی حاصل کر چکے ہوں گے انشاء اللہ یہ ہدف آئندہ سال ۱۹۹۲ء میں ہم حاصل کر لیں گے۔" وما ذالك على الله بعزيز

اشتراکیت کے پنجوں سے نوآزاد مسلم ریاستیں اور ہمارا فریضہ

۹ - ولی اللہی تحریک انقلاب اسلامی کے موجودہ جانشینوں کا فرض ہے کہ جید علماء کرام شیخ الہندؒ اور علامہ سندھیؒ کی سنت کو ایک بار پھر زندہ کرنے کے لیے تبلیغی جماعت کے ساتھ مل کر روس کی مسلم ریاستوں کا رخ کریں، جنوبی وزیرستان وانا کے تاجر ابھی حال ہی میں مسلمانوں کی ریاست قازقستان سے ہو کر واپس آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ بازار میں جب ہمیں وہاں کے عوام مرد وزن دیکھ لیتے تو وہ ہمارے گرد جمع ہو کر کہتے کہ ہمیں قرآن سناؤ تو ہم اپنی جیب سے سورۃ یٰسین نکال کر سنانا شروع کر دیتے تو وہ خوشی سے رونے لگ جاتے، انہیں ان پڑھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت ایران سرکاری سطح پر ان نومسلم جیسے بے خبر مسلمانوں کو شیعہ بنانے کے لیے زبردست کوشاں ہے اس لیے مضمون کے اختتام پر میں جملہ خادمان اسلام اور خصوصاً علماء کرام اور تبلیغی جماعت کے اکابرین سے عرض کروں گا کہ وقت کا اہم ترین فریضہ آج یہی ہے کہ روس اور لینن ازم سے نوآزاد مسلمان ریاستوں کا رخ کر کے ان کے ایمان اور اسلام کو نام کے مسلمان گمراہ فرقوں اور باطل مذاہب کی یلغار سے بچانے کی کوشش کریں ورنہ آخرت میں ندامت اور دنیا میں پچھتاوا ہوگا۔

وسط ایشیاء کی نوآزاد مسلم ریاستوں نے ۷۰ سال سے زیادہ عرصہ روس کے زیر اثر کمیونزم نظام کے تحت روسی جبر و استبداد میں ناقابل برداشت مصائب برداشت کیے مگر اسلام سے ناطہ نہیں توڑا کبھی

وہ زمانہ تھا کہ ان مسلم ریاستوں سے وہ عظیم محدثین، مفسرین، متکلمین اور فقہا اٹھے تھے کہ جنہوں نے نہ صرف دین اسلام دنیا میں پھیلایا بلکہ امت مسلمہ کے لیے ہر مسئلہ میں امامت کی مگر آج وہ دین اسلام اور اسلامی اخوت کے ہر تقاضے میں ہمارے دست نگر ہیں۔

علماء اسلام کو چاہیئے کہ وفاق المدارس کے تحت ان مسلم ریاستوں کے بچوں کو پاکستان کے اندر تعلیمی مدارس اسلامیہ میں مناسب تعداد میں ان کے داخلہ اور جملہ ضروریات کا انتظام کریں اور ان ریاستوں میں ترغیب کی مہم چلائیں کہ وہ یہاں اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیں[1]، نیز وفاق المدارس اور جمعیت علماء اسلام کے تحت ان ریاستوں کی دینی اور مذہبی خدمات کے لیے ایک مشترکہ فنڈ قائم کریں اور ان مخیّر حضرات کو اس فنڈ میں حصہ لینے کی ترغیب دیں جو حضرات اسلامی مدارس چلانے کا فریضہ پاکستان میں ادا کر رہے ہیں یقیناً اس طرح بہت جلد لاکھوں روپے کا فنڈ جمع ہو جائے گا۔ اور جمعیت کے اس پروگرام کی تمام اسلام پسند جماعتیں پیروی کریں گی نیز حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ اس سلسلے میں ان مسلم نوآزاد ریاستوں کا افغان مجاہدین اور کشمیری مسلمانوں سے بڑھ کر امداد کرے، کاش کہ اس سلسلے میں بھی عیسائی دنیا سبقت لے رہی ہے۔ بالٹک ریاستوں لیتھونیا، الیتھونیا اور لٹویا کے عیسائی ریاستوں نے روس سے آزادی حاصل کرتے ہی مغربی ممالک کا رخ کیا تاکہ عیسائیت کا مستقبل اپنے ہاں مستحکم کر سکیں اور اسی مقصد کی خاطر یورپی ممالک دل کھول کر امداد دے رہے ہیں اور ان ریاستوں کو اپنے ہاں سفارتخانے کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔

عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان کے دینی، علمی، فلاحی اور رفاعی اداروں کا فریضہ ہے کہ ان نوآزاد شدہ مسلم ریاستوں کو مذہبی لٹریچر، مذہبی کتابیں اور داعی و مبلغین زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیجیں یہاں تک کہ وہاں ان کے بچوں کے لیے صحیح اسلامی تعلیمات کا انتظام بھی کریں۔ وما علینا الا البلاغ

---

[1] دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے نوآزاد مسلم ریاستوں کے ایک ہزار طلبہ کو مفت دینی تعلیم دلانے کی پیشکش کی ہے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان ممالک کی اقتصادی ضروریات سے بڑھ کر ان کے ایمان و اسلام اور دینی ضروریات کی تکمیل کی فکر کرے اور ان طلبہ کو پاکستان لانے اور دینی تعلیم دلانے میں ہر قسم کے مواقعات اور رکاوٹوں کے دور کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائے اگر یہ مطالبہ منظور ہو جاتا ہے تو جمعیۃ علماء اسلام کے زیر اہتمام تمام ملک میں جگہ جگہ تربیت کے دینی مراکز کا قیام اور مختصر مدت کے کورسز بھی پڑھائے جا ممکن ہوں گے اور وفاق المدارس کو بھی اسی سلسلہ کسی بھی کوشش کی معاونت اور تربیتی سکیم کی تکمیل میں بھرپور حصہ لینے کا موقع مل جائے گا۔ (ادارہ)

رُوح افزا
خاص افادیت کا حامل حقیقی مشروب
■ رُوح افزا نہ تو کوئی نیا نام ہے اور نہ ہی اس کی تاثیر کے بارے میں دعوے نئے ہیں۔ تقریباً ایک صدی سے رُوح افزا کے خریدار جانتے ہیں کہ اس کے خالص قدرتی اجزا انسانی جسم کے لیے خاص افادیت کے حامل ہیں۔
■ رُوح افزا کا فارمولا برسوں کی تحقیق اور تجربات کے بعد پھلوں پھولوں، سبزیوں اور فرحت بخش خواص رکھنے والی جڑی بوٹیوں سے ترتیب دیا گیا ہے۔
■ رُوح افزا گرمی، لُو اور حبس کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، جسم کو فوری توانائی بخشتا ہے اور آپ کو تازہ دم کر دیتا ہے۔
■ رُوح افزا محض پانی، مٹھاس، رنگ اور خوشبو کا مرکب نہیں بلکہ ایک حقیقی مشروب ہے جو بازار میں پائے جانے والے دوسرے تمام شربتوں سے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ بہتر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رُوح افزا کی پسندیدگی نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HAMDARD FRUIT PRODUCTS
ہمدرد دواخانہ (وقف) کراچی
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
ہمدرد
Adarts-HRA-3/92

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ
معروف سکالر ڈاکٹر حمید اللہ پیرس

کلمۃ الجبین فی القرآن المبین

حضرۃ العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

موقر ماہنامہ الحق بابت ماہ جنوری ۱۹۹۲ء میں سورہ الصفٰت کی آیت ۱۰۳ میں مذکور کلمہ الجبین پر علمی اور لغوی اعتبار سے مفید بحث کی گئی ہے اس گناہ گار نے بھی اسے پڑھا علمی تحقیق کے علاوہ کچھ دیر کے لیے اس ارشاد عزیز کا پس منظر دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھا گیا کہ روحانی اور ایمانی انبساط میسر ہوا اللہ تعالےٰ اسے دوام بخشے، اسی یاد کو تازہ رکھتے ہوتے اس کلمہ مبارک کے بارہ میں معلومات قاصرہ قارئین کرام کے لیے ہدیہ ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ (قاضی محمد زاہد الحسینی)

قرآن عزیز میں یہ کلمہ صرف ایک ہی بار آیا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع خداوندی کے ضمن میں بطور ایک عظیم اطاعت کے ذکر فرمایا ہے قرآن فہمی کا ایک طریقہ اکابر علماء اصول تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی آیت یا کسی کلمہ کا معنی مراد متعین کرنے کے لیے سیاق و سباق پر غور کیا جاتے۔ چنانچہ اس قصہ کے سیاق اور سباق میں ذبح کا کلمہ بھی ارشاد فرمایا ہے آیت ۱۰۲ میں فرمایا انی اریٰ فی المنام انی اذبحک اور آیت ۱۰۷ میں فرمایا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اس لیے جبین کا معنی متعین کرتے ہوتے جہاں لغت سے رہنمائی ضروری ہے وہاں اس کے سیاق و سباق کا لحاظ بھی ضروری ہے یہ ظاہر ہے کہ کسی جانور کو ذبح کرتے وقت اس طرح لٹایا جاتا ہے کہ اس کی وہی رگیں کٹیں جن کا تعلق تنفس کے ساتھ ہے جن کو اوداج کہا جاتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان رگوں پہ ذبح کرنے کا آلہ چل سکے اگر جبین سے مراد وہ ماتھا لیا جاتے تو متعارف ہے تو اس طرح اوداج نہیں کٹ سکتیں علاوہ اس کے متعارف ماتھا کے لیے قرآن عزیز اور حدیث من نزل القرآن علی قلبه ویسر الله بلسانه صلی الله علیه وسلم میں جبهة کا کلمہ ارشاد فرمایا جیسا کہ سورہ توبہ آیت ۳۵ میں سونا چاندی غیر شرعی طور پر جمع کرنے والوں کی اخروی سزا کو بیان فرمایا يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ الآیۃ اس آیت میں جباہ کا کلمہ یہ جبهة کی جمع ہے اس کا معنی بھی مترجمین حضرات نے اردو میں ماتھا فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سجدہ کے اعضاء کا ذکر کرتے ہوئے سبعہ اعظم پر سجدہ کرنے امر من جانب اللہ ارشاد فرمایا ان سات ہڈیوں میں جبہۃ کو بھی ارشاد فرمایا جس سے مراد پیشانی یعنی ماتھا ہے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر جبین کا معنیٰ جو اقرب الی المقام ہے وہ پیشانی نہیں بلکہ وہ ایک کروٹ ہوتا ہے جس کا درمیانی حصہ جبہہ ہے۔ چنانچہ مشکلات القرآن کے موضوع پر غور و فکر کرنے والے علماء کرام نے فرمایا ہے:۔

وَتَلّه للجبين اى صرعه على جبينه فكان احد جبينه على الارض وهما جبينان والجبهة بينهما وهى ما اصاب الارض فى السجود -

(قرطبی ج ۲ ص۹۵)

امام راغب اصفہانی نے فرمایا ہے:۔

فالجبينان جط نبا الجبهة (مفردات)

علامہ شمر کانی فرماتے ہیں:۔

والجبين احد جانبي الجبهة فللوجه جبنيتان والجبهة بينهما وقيل كبه على وجهه كيلا يرى منه مايوثر (فتح القدیر)

ابن جریر طبری نے فرمایا:۔

الجبينان ماعن يمين الجبهة وشمالها والجبهة بينهما -

قاضی بیضاوی نے فرمایا:۔

وتله للجبين صرعه على شقه فوقع جبينه على الارض وهواحدى جانبي الجبهة الخ

علامہ آلوسی نے فرمایا:۔

صرعه على شقه فوقع جبينه على الارض.... والجبين احد جانبي الجبهة -

علامہ آلوسی نے دوسرا قول بھی نقل فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:۔

ولا يخفى ان اراده ذلك من الاية بعيد نعم لا يبعد ان يكون الذبيح قال هذا - (روح)

لغۃ القرآن اور تفاسیر کے چند حوالجات کے بعد حدیث کا حوالہ بھی درج ہے۔ امام ترمذی نے شمائل ترمذی میں فرمایا:۔ واسع الجبين اور علی قاری نے اس کی تشریح میں فرمایا:۔

والجبين فوق الصدغ وهما جبيتان عن يمين الجبهة وشمالها -

اسی طرح علامہ مناویؒ نے فرمایا۔

هو كما في الصحاح فوق الصدغ وهو ما كنف الجبهة عن يمين وشمال وهما جبينتان عن يمين الجبهة وشمالها۔ (مناوالجزء الاول ص ۴۳)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس آیت کا یہ ترجمہ فرمایا ہے۔

" پس چوں منقاد شدند ہر دو و پدر بافگند فرزند بر جانب پیشانی"۔

بر پیشانی نہیں فرمایا بلکہ بر جانب پیشانی۔

خلاصہ یہ کہ لغۃ القرآن، تفسیر اور حدیث میں کلمہ جبین سے مراد متعارف ماتھا نہیں بلکہ دونوں کنپٹیوں کے درمیان ساری جگہ مراد ہے اور اس کے دونوں کونوں کو جبین کہا جاتا ہے۔

جن مترجمین حضرات نے اس کلمہ کا ترجمہ ماتھا فرمایا ہے وہ یا تو متعارف معنی مراد ہے اور یا اس شاذ روایت کے پیش نظر فرمایا جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وصیت کا ذکر ہے اس کا جواب اور توجیہہ علامہ آلوسیؒ نے فرما دی ہے جو ذکر ہو چکی ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس

باسمہ تعالیٰ، حامدا ومصلیا

پاریس یوم معراج مبارک ۱۴۱۲ھ

سلام مسنون! موقر ماہنامہ الحق کا شمارہ رجب ۱۴۱۲ھ ابھی ابھی پہنچا ہے ممنون بھی ہوا اور مستفید بھی خاص کر مولانا تصدق بخاری صاحب کا مقالہ بعنوان "جبین کروٹ ہے یا ماتھا" غور سے پڑھا، خاص کر اس لیے کہ اس ناچیز ہیچمداں نے بھی قرآن مجید کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے جس کے اکیسویں ایڈیشن کے پروف بھی اتفاق سے انہیں دنوں تصحیح کے لیے آتے ہوتے ہیں اور ضرورت ہے کہ " الحق يعلو ولا يعلى عليه" کے مصداق اس ترجمے میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو اسے درست کریں اس لیے کچھ حقیر رائے زنی کی جسارت کرتا ہوں۔

شروع میں دو چھوٹی چیزوں کا بھی ذکر کروں گا جن کا اصل بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پہلے یہ کہ مقالہ مذکور کے آغاز (صفحہ ۳۹، سطر ۶) میں کاتب نے "كلا وهاشا" لکھا ہے جسے آپ کے پروف خواں فاضل نے درست نہیں کیا ہے یہ " هاشا " نہیں، "حاشا " ہونا چاہیئے۔ دوسرے مقالے کا آغاز، جو سطر ۹ سے ہوا ہے ایک ناقابل فہم عبارت سے ہوا ہے یعنی " بقار زیرہ علم و عرفاں " معلوم نہ ہو سکا کہ مولف نے کیا لکھنا چاہا ہے۔

اصل بحث کے متعلق ماقلّ ودلّ، لاما طال وأملّ پر عمل کر کے بہ ادب عرض کرتا ہوں کہ

مجھے اس مقالے کی رائے سے اتفاق نہ ہوسکا۔

حیرت ہوئی کہ محترم مقالہ نگار نے لغت کی کتابوں کو کیوں نظر انداز فرمایا، یا کیوں نامکمل اقتباس دیئے ہیں تاج العروس، اور لسان العرب میں مثلاً کوئی معین متفق علیہ بات نہیں بیان کی گئی ہے اور یہاں تک بھی لکھا ہے کہ "بعضوں نے یہ بھی کہا ہے" تاج العروس کا یہ جملہ جو بہت اہم ہے، یہاں قابل ذکر نظر آتا ہے" قال شیخنا رحمۃ اللہ علیہ : وقد ورد الجبین بمعنی الجبهة لعلاقة المجاورة فی قول زهیر..."

جب لغت میں کسی لفظ کے دو معنی بیان ہوتے ہیں تو روایت کے ساتھ درایت کی بھی ناگزیر ضرورت ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمائش، جانچ اور ابتلاء کے لیے حکم دیا کہ اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے کو "ذبح" کے ذریعے سے قربان کرو، تو دیکھنا یہ ہوگا کہ عادۃً ذبح کس طرح کرتے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ ذبح سر کچلنے یا پھانسی پر چڑھانے کے ذریعے سے نہیں ہوتا بلکہ مذبوح ہونے والے کو چت لٹا کر حلق پر چھرا پھیرا جاتا تھا۔ لیکن قرآن مجید خود تصریح کرتا ہے کہ بیٹے کو ذبح کرنے کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے باپ نے نوعمر بچے کو "جبین" پر لٹایا۔ مفسرین کا یہ بیان معقول معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو خوف ہوا کہ کہیں محبت پدری کے جوش میں ذبح کرتے وقت بچے کی آنکھوں اور چہرے میں موت کی تکلیف دیکھیں تو کہیں احکام خداوندی کی تعمیل اور فریضے کی ادائی میں کوئی لغزش نہ ہوجائے۔ اس لیے چت کی جگہ پٹ لٹایا۔ اس میں ایک مزید اضافہ یہ ہے کہ گدی کی طرف سے ذبح کریں تو حرکتِ قلب جلد تر بند ہوجاتی ہے اور خون زیادہ نہیں بہتا اور مذبوح زیادہ نہیں تڑپتا۔

قربانی کے لیے جب "ذبح" کرنا ہو تو کروٹ لٹانا بے سود سا معلوم ہوتا ہے، انسان کو ذبح کرنا ہو یا کسی عام جانور کو۔ واللہ اعلم بالصواب ربّنا اھدنا الصراط المستقیم۔

از مولانا سعید احمد عنایت اللہ مکہ مکرمہ

حضرت مولانا مسعود شمیم صاحب رحمہ اللہ

ناظم اعلیٰ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

ذاتِ حیّ و قیوم کا بندۂ فانی پر انعامِ اعظم یہی ہے کہ اسے تفقہ فی الدین کی نعمت سے سرفراز فرمائیں دینی فہم و فراست کے حصول کے بعد دعوتِ اسلام اور دفاعِ اسلام کا عمل وہ عظیم جہاد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے منعم علیہ بندوں کو منتخب فرماتے ہیں یہ رجالِ امت کی وہ مقدس شخصیات ہیں جو آسمانِ ہدایت پر درخشندہ و تابندہ ستارے بن کر چمکتے ہیں اقوام و شعوب جن سے روشنی رُشد حاصل کرتی ہیں اور ان کو مشعلِ راہ بناتی ہیں۔ یہ ائمہ دین تشنگانِ ہدایت کی اپنی بصیرت و بصائر سے سیرابی کرتے ہیں اور معارفِ اسلامیہ بکھیرتے ہیں۔

اہلِ علم و جہاد کے اس قافلہ کے سرخیل ۱۸۵۷ء جیسے پُرآشوب دور کے اسلامی ہیرو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہیں جن کی شخصیت سے حق تعالیٰ نے دعوت و دفاعِ اسلام کا کام اسی دور میں لیا جب مسیحی دیوتاؤں کے اقتدار کے تسلط کا یہ عالم تھا کہ انگریزی حکومت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔

عقائدِ حقہ کے اثبات اور تحفظِ ملتِ اسلامیہ کے مبارک سلسلہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جو مجاہدانہ عظیم الشان خدمات سرانجام دیں اور اہلِ باطل سے مناظروں کے میدان میں جہاں حق کا علم بلند کیا پھر ایک وقیع تالیفات کا علمی ذخیرہ امت کے سپرد کیا اس کے ساتھ ساتھ وہاں دین اسلام کا عظیم مورچہ اور شریعتِ مطہرہ کے تحفظ کا حصن حصین ارض حرم مکی میں اس دار العلوم کا تاسیس و قیام بھی ہے۔ جو کعبہ مشرفہ کے زیرِ سایہ جزیرۃ العرب کی اہم ترین اور اولین نظامی درسگاہ مدرسہ صولتیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور بیسیوں ممالک کے ہزاروں طلبہ علوم کی عرصہ ایک سو بیس سال سے علمی پیاس بجھا رہا ہے۔ اس درس گاہ سے بلادِ اسلامیہ کے بڑے بڑے علماء و مفکرین اور دانشور سندِ فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم اور مؤسسین کے اخلاص و للہیت کی برکت سے ہر دور میں اس کے اہتمام و انتظام کے لیے ایسے بلند ہمت اور عالی ظرف اہلِ علم و عزم کا اختیار ہوتا رہا جنہوں نے اپنی قائدانہ قابلیت مدبرانہ صلاحیت اور بانیٔ اوّل کی حکیمانہ ہدایات اور بزرگان تسامح کو مشعل راہ بنا کر دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ کی ترقی کو چار چاند لگائے۔ ان سطور کی

تحریر سے اسی مدرسہ کے ناظم رابع حضرت مولانا محمد مسعود شمیم کو خراج عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں جو ۲۷ شعبان ۱۴۱۲ ہجری بمطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ کے دار فانی سے دار باقی منتقل ہو گئے ہیں۔ اور اس جہان میں صرف اپنے اہل خاندان یا اہل مدرسہ کو ہی نہیں بلکہ بلد الامین کے مصلّین اور عالم اسلام کے لاکھوں متعلقین کو غمزدہ چھوڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سرخ و سفید رنگت کی انتہائی نشیط کاہلی اور کلفت سے بیزار اور سادگی و صراحت سے سرشار یہ بزرگ ہستی حضرت مولانا شمیم صاحب مرحوم مدرسہ صولتیہ کے فضلاء میں سے تھے۔ جنہوں نے ــــــ میں مدرسہ صولتیہ سے سندِ فراغت حاصل کی اور تدریس کے ساتھ ساتھ اپنے والد محترم مولانا محمد سلیم صاحب ناظم ثالث مدرسہ صولتیہ کے ساتھ متعاون رہے۔

مولانا محمد سلیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں سے متصنف فرمایا تھا۔ آپ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی فراست کے وارث حضرت مولانا محمد سعید کے جانشین اور مکہ مکرمہ کے اعیان میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے اکلوتے فرزند کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لہٰذا مولانا شمیم صاحب کو تعمیر شخصیت کے تینوں عناصر خاندان، ماحول اور علم بفضلہ تعالیٰ میسر رہے اس لیے آپ ممتاز ماہر تعلیم اور کامیاب و تجربہ کار مہتمم عظیم مربی احسان و شفقت کے پیکر اور قلب رحیم رکھنے والے انسان بن کر ظاہر ہوتے، آپ نے شعبان ۱۳۹۶ھ ہجری میں مولانا محمد سلیم صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ کی نظامت علیا کا بار اٹھایا اور تادم حیات مدرسہ صولتیہ کی عظیم روایات کو برقرار رکھتے ہوتے شاندار خدمات انجام دیں۔

اسلامک کمیونٹی پاکستان کی درخواست پر ۱۳۹۹ھ سے ۱۴۰۵ھ تک نہ صرف مدرسہ کی عمارتوں کو پاکستانی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کیا بلکہ اس کے علاوہ بجلی پانی کے دیگر اخراجات کو بھی خود برداشت کیا۔ جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور پاکستانی قوم ان کی ہمیشہ شکرگزار رہے گی۔

مولانا شمیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات سے نوازا تھا۔ آپ طبیعت کے جری اور بات کے صاف گو اور دل کے بڑے ہی سلیم تھے ہمیشہ صاف اور کھری بات جرأت سے کہہ دیتے انتظامی امور میں حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے اگر کسی وقت انتظامی تقاضے کے تحت کسی کو کوئی بات ناگوار گزرتی تو اس کا مداوا بھی ان کا شیوہ تھا اور اس وقت مسنون مسکراہٹ اور بھیا چاند کے شیریں الفاظ ان کی یادوں کو نہیں بھلا سکیں گے۔

قلب کی سلامتی کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ کسی مخالف کے لیے بھی دل میں کدورت نہ ہوتی تھی نہ عداوت نہ ایذا رسانی، ناراضگی صرف زبان تک محدود رہتی وہ بھی مصلحانہ شدت سے متجاوز نہ ہوتی ہر ایک کے لیے نصیحت و خیر خواہی اور حتی المقدور اپنے پرائے اور واقف ناواقف سے تعاون کر کے دل کا سکون حاصل کرتے تھے۔

وگرنہ مضطرب و متفکر رہتے یہی وجہ تھی کہ ہر حاجت مند اپنی ضرورت بلا جھجک ان کے سامنے بیان کر دیتا کلفت اور تکلف سے بہت دور رہتے اور ہر آنے والے کو خلوص دل سے مرحبا اور بسم اللہ کہہ کر اپنے قریب کرتے تھے جس میں کوئی تصنع یا بناوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ آج کل کے قحط الرجال کے دور میں کسی ادارے کا مہتمم ہو اور تکلف سے عاری ناپید اگر نہیں تو نادر ضرور ہے۔

مولانا شمیم صاحب اہتمام کے وقار اور انتظامی رعب داب کے باوجود تکلف کے نام سے ناواقف تھے، سادگی اور صراحت ان کی طبیعت تھی مدرسہ یا ضیوف الرحمٰن کی خدمت کا ادنیٰ سے ادنیٰ کام اپنے ہاتھ سے کرنا سعادت سمجھتے بلکہ بسا اوقات دیگر اہل مدرسہ اور خدام کی موجودگی میں بھی ایسے کاموں میں سبقت لے جاتے جنہیں خواص تو کیا عام حضرات بھی اپنی شخصی وجاہت سے ادنیٰ یا خلاف شان سمجھ کر پیچھے رہتے شخصیت کی تعمیر اور انسانیت کے کمال میں یہ اعلیٰ صفات ان کے احباب متعلقین اور خلف کے لیے قابل تقلید زرین اصول ہے۔

مولانا شمیم صاحب نے اپنی زندگی میں خدمات کا ایک طویل سلسلہ جاری رکھا تھا کہ بیسیوں اشخاص بھی سمجھتے ہیں کہ مولانا کا جیسا تعلق میرے ساتھ تھا وہ مجھ سے ہی مختص تھا۔ صلہ رحمی اور دوسروں کی خبر گیری ان کی امتیازی شان تھی طلبہ، مدرسین کے علاوہ دیگر معتمرین مکہ مکرمہ کے قیام وطعام کا انتظام کا ایسا اہتمام فرماتے گویا کہ ان کے گھر کے افراد ہیں۔

مولانا کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ زائرین حرمین شریفین میں مختلف طبقات کے لوگ ہوتے ہیں۔ عام حجاج کرام پھر مختلف ممالک کے علماء، ادباء، صحافی اہل قلم ارباب سیاست سبھی طرح کے لوگ مولانا شمیم صاحب جو ایک ذات میں انجمن تھے سب کے تعلقات کو نبھانے اور ہر ایک کی اقامت مکہ مکرمہ کے دوران خبر گیری رکھتے اور ان کو فکر لاحق رہتی کہ ہر ایک کی طبیعت کے مطابق قیام وطعام کا بندوبست ہو۔ اکثر بزرگان و اہل علم کا قیام اگر ہوٹلوں میں ہوتا تو ان کا کھانا گھر سے پکوا کر بھجواتے باقی گھر کے دسترخوان پر تو ناشتے کا وقت ہو، دوپہر یا رات کا کھانا میرے خیال سے مہمان کے بغیر تناول کرنا ان کے ہاں خلاف معمول تھا۔

پاک و ہند کے دور دراز علاقوں سے آنے والے حجاج کرام اور زائرین حرمین شریفین مدرسہ صولتیہ کو اپنا گھر اپنا مدرسہ اور اپنا ادارہ سمجھ کر مدرسہ آتے تو پہلی ملاقات مولانا شمیم صاحب سے ہوتی۔

مولانا تعارف کے طور پر پوچھتے حاجی صاحب کہاں سے تشریف لاتے تو اگر صرف پاکستان یا ہندوستان کہتے تو مولانا فوراً دوسرا سوال اس کے لیے پوچھتے کہ بھائی کس شہر سے آتے ہو شہر کا نام کیوں نہیں بتاتے اکثر چار پانچ شہروں کا نام لے کر یہ سوال ہوتا تو عام حاجی یہی سمجھتا کہ مکہ مکرمہ میں مقیم یہ شیخ گویا ہمارے ہی کسی علاقے کا کوئی بزرگ ہے جو ہماری خبر گیری اور خدمت کی خاطر یہاں مقیم ہے اور اپنے فرض کی ادائیگی کی خاطر ہم سے پوچھ رہا ہے پھر مولانا اس علاقے کے کسی بزرگ، عالم یا معروف شخصیت کا حال پوچھ لیتے تو اب تو حاجی صاحب دفتر مدرسہ کے ایک کونے میں بیٹھ

کہ یہ تو اپنے ہی آدمی ہیں کیوں نہ اپنے سب کام انہی کے سپرد کر دوں۔ حجاج کرام کے لیے دفتر میں ڈاک بھی آ رہی ہے لفافے بھی مل رہے ہیں مولانا اپنے قلم سے حاجی کا مکمل پتہ، گاؤں، تحصیل ضلع تھانہ سب کچھ تحریر کر رہے ہیں، حجاج کرام کا سامان بھی سنبھالا جا رہا ہے کسی کی امانت رکھی جا رہی ہے الغرض بیک وقت بیسوں حجاج کرام کے کتنی انواع کے کام یہ سب کام مولانا شمیم صاحب اور ان کے عملہ کی ہمت اور خداداد توفیق سے ہوتا، پھر حجاج کرام میں سے بعض تو یہ سمجھ لیتے کہ شاید مولانا شمیم صاحب کی سعودی سرکار نے یہ ڈیوٹی لگا رکھی ہے یا پاکستانی سفارتخانے یا انڈین ایمبیسی کے کوئی وظیفہ خوار ملازم ہیں۔ حقیقت ہے کہ برصغیر یا یورپ امریکہ سے آنے والے حجاج کرام کی جو خاطر تواضع مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں مولانا کی زیر نگرانی کی جاتی تھی اس کی ہمت یا توفیق کسی اور کو کہاں نہ ہی حجاج کرام کسی اور سے اس کی توقع رکھتے تھے۔

مولانا کثیر المطالعہ شخص تھے حالات حاضرہ کے بارے میں ان کی معلومات انتہائی تازہ ترین ہوتی تھیں اس لیے آپ عربی اردو کے مختلف روزنامے، ہفت روزہ مجلے اور ماہنامے پاک و ہند سے چھپنے والے دینی، سیاسی ادبی معلوماتی رسائل کا بلاناغہ مطالعہ فرماتے۔

راقم نے حجاز معلم عربی حصہ تالیف کیا تو عصر کے وقت کامل کتاب کا فوٹو اسٹیٹ برائے تقریظ مولانا شمیم صا[حب] سپرد کیا، فرمانے لگے میں انشاء اللہ رات کو سونے سے پہلے اس کو دیکھ لوں گا دوسرے روز مجھے بلا کر جب کتاب واپس دی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اوّل تا آخر کتاب مولانا کی نظر سے گزری ہے اور وہ بھی بڑے دقیق مطالعہ سے اس کے اکثر صفحات مولانا کے سبز قلم سے مزین ہیں، کہیں ملاحظہ ہو، کہیں سوالیہ نشان، کہیں تصحیح، کہیں شاباش، کہیں ماشاء اللہ کے الفاظ رقم تھے۔

(یہاں پر "تحدیث" نعمت کے طور پر ذکر کرنا مناسب ہوگا) فرمایا کہ بہت سے احباب تقریظ کے لیے کتب ارسال کرتے ہیں مگر فرصت نہ پانے کی وجہ سے معذرت کر دیتا ہوں مگر یہ آپ کی تالیف کے مضامین کے تسلسل اور باہمی ربط کا تقاضا تھا کہ اس کو ایک ہی مجلس میں ختم کر دیا اور مزید فرمایا کہ اس تالیف لطیف پر بندہ کی طرف سے یہ نقد انعام بھی قبول کیجئے اور تقریظ بھی۔

مولانا کی تمام خوبیوں سے زیادہ ان کی جس ادائے محبوبی نے مجھے متاثر کیا وہ ان کے دل میں امت مسلمہ کا ہمہ وقت درد ہے جسے کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جب کبھی مسلمانوں کو کہیں بھی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا یا کوئی آفت آجاتی تو مدرسہ میں خصوصی طور پر دعائے خیر اور تلاوت قرآن کریم اور اوراد مسنونہ کے ورد کا اہتمام فرماتے اور کہتے بھائی ہمارے اختیار میں جو ہے اس میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ بعض واقعات کی مناسبت سے شعبان کا مہینہ خاندان رحمت اللہ کے لیے خاصی اہمیت کا حامل ہے اسی ماہ مبارک میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا کے والد بزرگوار حضرت

مولانا محمد سلیم صاحب کا وصال اور پھر امت اسلامیہ کے عالم جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کا وصال اور پھر آپ کا وصال بھی اسی ماہ مبارک میں ہوا، یوں شعبان کے مہینہ کو بڑی فضیلت بھی حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے شعبان میرا مہینہ ہے۔

مولانا شمیم صاحب نے نصف صدی تک چمنستان صولتیہ کی خون جگر سے آبیاری کی اور ہزاروں طلبہ علوم دینیہ کو تحصیل علم کے مواقع میسّر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء کار مدرسین صولتیہ کو بھی تربیت کے زرین اصول عملاً سکھلائے اس عظیم مربّی کو حق تعالیٰ شانہ نے ابنائے اسلام کی تعلیم و تربیت کے اہتمام اور ہمہ گیر فکر کی برکت سے نہایت سعادت مند صالح اور فرمانبردار اولاد عطا فرمائی ہے جو بفضلہ تعالیٰ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور چاروں فرزندان خیر خلف لخیر سلف "بہترین سلف کی بہترین اولاد" کی اعلیٰ مثال ہیں۔

مولانا ماجد سعید (المعروف بھائی زعیم) ایک عرصہ سے انتظام مدرسہ میں اپنے والد صاحب کے معاون ہیں مولانا احمد سعید (المعروف بھائی زعیم) مدرسہ کے فاضل ہیں اور رابطہ عالم اسلامی کے ایک شعبہ کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ امور مدرسہ سے گہری دلچسپی ہی نہیں رکھتے بلکہ عملی ربط بھی۔

مولانا محمد حلیم صاحب جو دفتری امور میں مولانا کے مستشار و معاون رہے ہیں پوری لگن سے مدرسہ کی فلاح و بہبود کے لیے فکر مند ہیں۔ عزیزم حافظ محمد یوسف ندیم ام القریٰ یونیورسٹی کے درجہ عالیہ میں طالب علم ہیں۔

الحمد للہ سب کے سب مجاہد ملت، مناظر اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے آثار علمیہ کے پوری نشاط سے محافظ امین ہیں۔

حق تعالیٰ مولانا شمیم صاحب کو اپنی رضا کی خلعت سے نوازتے ہوئے کروٹ کروٹ اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کا وارث بنائیں۔ آمین

اس ذات عالی سے ان کے فرزندان اربعہ محمد حشیم محمد زعیم محمد حلیم محمد ندیم کے لیے توفیق و امداد کے لیے دعا گو ہیں کہ باری تعالیٰ خصوصی عنایات سے ان کی تائید و نصرت فرمائیں اور وہ مدرسہ صولتیہ کی تعمیر و ترقی کے دیگر کاموں کو جاری و ساری رکھیں ۔۔۔۔ (ثم آمین)

محکمہ مواصلات و تعمیرات، صوبہ سرحد

شارٹ ٹینڈر نوٹس

زیر دستخطی کو مندرجہ ذیل کاموں کے لئے محکمہ مواصلات و تعمیرات کے رجسٹرڈ ٹھیکداروں سے جنہوں نے رواں مالی سال ۹۲-۱۹۹۱ء کے لئے تجدید لائسنس کی ہو۔ سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ لاگت	زرضمانت	ٹینڈر کھولنے کی تاریخ	تکمیل معیاد
۱۔	گورنمنٹ گرلز ہائی سکول خویشگی پایان میں چار دیواری کی تعمیر۔	۴,۰۰,۰۰۰	۸,۰۰۰	۳-۶-۱۹۹۲	جون ۱۹۹۲ء
۲۔	گورنمنٹ گرلز مڈل سکول خیرآباد میں چاردیواری کی تعمیر و ہمواری کھیل کا میدان۔	۲,۰۰,۰۰۰	۴,۰۰۰	۳-۶-۱۹۹۲	جون ۱۹۹۲ء
۳۔	ضلع نوشہرہ میں لڑکیوں کے لئے کمیونٹی ماڈل سکول کا قیام۔				
سب ہیڈ:	(ا) کمیونٹی ماڈل سکول خویشگی پایان	۱۵,۸۰,۰۰۰	۳۱,۶۰۰	۳-۶-۱۹۹۲	جون ۱۹۹۳ء
	(ب) کمیونٹی ماڈل سکول پیرپیائی ؟	۱۱,۰۰,۰۰۰	۲۲,۰۰۰	۳-۶-۱۹۹۲	جون ۱۹۹۳ء
	(ج) کمیونٹی ماڈل سکول ماندوری	۱۲,۵۱,۰۰۰	۲۵,۰۲۰	۳-۶-۱۹۹۲	جون ۱۹۹۳ء

شرائط

۱۔ درخواستیں برائے حصول ٹینڈر فارم بمعہ کال ڈیپازٹ مقامی شیڈول بنک سے زیردستخطی کے نام ٹینڈر کھولنے کی تاریخ سے ایک دن پہلے دفتر ہذا کو پہنچ جانی چاہیئے۔

۲۔ بی او کیو تمام ٹھیکداروں کو ٹینڈر کھولنے سے ایک دن پہلے جاری کئے جائیں گے۔

۳۔ ٹینڈر فارم مقررہ تاریخ کو ۸/۰۰ بجے صبح سے ۱۲/۰۰ بجے تک ٹھیکداروں کو جاری کیئے جائیں گے۔ سربمہر ٹینڈر مقررہ تاریخ پر دن کے ۱۲ بجے تک وصول کیئے جائیں گے۔ اور اُسی دن ترسیل کنندگان یا اُن کے مختار کاروں کے سامنے کھولے جائیں گے۔

۴۔ درخواست کے ساتھ لائسنس، شناختی کارڈ اور تجدید لائسنس کی فوٹو کاپی ضرور منسلک ہو۔ بصورت دیگر درخواست قابل غور نہ ہوگا۔

۵۔ ٹینڈر فارم کے لیئے صرف وہی ٹھیکدار مستحق ہوگا جس کے نام پر رجسٹریشن ہوگی۔

۶۔ نامکمل/مشروط یا بذریعہ تار ٹینڈر قابل قبول نہ ہوگا۔

۷۔ افسر مجاز کسی ایک یا تمام ٹینڈروں کو بغیر وجہ بتلائے مسترد یا منسوخ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

۸۔ مزید تفصیلات دفتری اوقات کار میں دفتر ہذا سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

گل محمد خان
ایگزیکٹو انجینیئر بلڈنگ ڈویژن، نوشہرہ

INF(P) 1005

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

حسب معمول اس سال بھی ۱۲ شوال سے دارالعلوم حقانیہ کے سال نو کے لیے قدیم اور جدید طلباء کے
باقاعدہ داخلے شروع ہوتے داخلہ فارموں کی تقسیم، امتحانات، انٹرویوز، شرائط اور قواعد کی پابندی کے سلسلہ
میں ضروری کاروائی، تقسیم کتب و اقامت گاہ کے جملہ مراحل بحمداللہ بخیر و خوبی تکمیل پذیر ہوتے۔

طلبہ کا رجحان اور دارالعلوم آمد بغرض داخلہ ہمیشہ سے بہت زیادہ رہی۔ اس کا اندازہ صرف دورۂ حدیث
سے کیا جاسکتا ہے کہ اس سال صرف دورۂ حدیث میں ۳۰۰ سے زائد طلبہ کو داخلہ دیا گیا ہے۔

۲۷ شوال کو جامع مسجد دارالعلوم میں افتتاحی تقریب منعقد ہوئی ان دنوں دارالعلوم کے مہتمم مسئلہ افغانستان
کے سلسلہ میں مسلسل اسفار اور شدید مصروفیات کے باوصف افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے بھی تشریف لے
آئے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ نے جامع ترمذی کا ابتدائی درس دیا اور دارالعلوم کے
مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے مفصل خطاب فرمایا انھوں نے اپنی تقریر میں علم کی فضیلت، عمل کی ضرورت،
قدیم طلبہ کے فرائض، جدید طلبہ کو نصائح، مادر علمی اور کتاب و اساتذہ سے تعلق خاطر اور ادب و احترام، علم
کے تقاضے بالخصوص موجودہ حالات میں جہاد افغانستان کی تازہ ترین صورت حال، علماء بالخصوص فضلاء حقانیہ
کے تاریخی کردار اور اپنے دورۂ کابل کی تفصیلات بیان کیں۔

حضرت مہتمم صاحب نے داخلہ کے خواہشمند طلبہ کے شدت اشتیاق اور کثرت کے پیش نظر دورۂ حدیث
سمیت تمام درجات میں سابقہ معمول سے بڑھ کر داخلہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ گرد و نواح میں طلبہ کے قیام
کے لیے کرایہ پر مکانات لینے کے باوصف بھی جگہ کی بے حد قلت اور شدید ضرورت کے پیش نظر جامع مسجد کے
مشرقی جانب وضو خانہ کی چھت پر ۵ کمروں پر مشتمل جدید ہاسٹل کی تعمیر کی اجازت مرحمت فرمائی جس پر فوراً
تعمیری کام بھی شروع کر دیا گیا ہے جو اسی سال مکمل ہو کر طلبہ کی اقامت گاہ کے طور پر استعمال کیا
جائے گا۔ انشاء اللہ

حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ

ادبیات

ماہنامہ الحق کی مناسبت سے

الٰہی! رہے حق کا پرچم بلند

حقیقت ہے حق اور باطل مجاز — کریں حق و باطل میں ہم امتیاز
جو باطل ہو ہم اس کو باطل کہیں — بلا خوف، حق ہی کا چرچا کریں
کبھی راہِ حق سے نہ ہٹ کر چلیں — کہ حق ہی سے ملتی ہیں سب منزلیں
کریں "حق کا اظہار" ہم برملا — اندھیرا ہے "انوارِ حق" کے سوا
ہمیشہ رہیں "حق پہ ہم جاں نثار" — ہو مطلوب حق کا ہمیں "انتصار"
جو ہو جائیں "اسرارِ حق" منکشف — تو باطل سے ہم کیوں نہ ہوں منحرف
ہو حسان یا کوئی "ہوشِ بتول" — کریں راہِ حق و صداقت قبول
"معاذ" اللہ حق کو ہو کبھی شکست — کہ حق ہی سے قائم ہیں بالا و پست
جو حق کی طرف نفس راغب رہا — وہ لوٹے گا "مرضیۃ الراضیۃ"
غرض حق کا دامن نہ چھوڑے کبھی — کہ ہے فتح، حق کے لیے لازمی
ہو جینا تو جینا ہو حق کے لیے — ہو مرنا تو مرنا ہو حق کے لیے
ہے عالم کا حق ہی پہ قائم نظام — شب و روز حق کا ہے گردش میں جام
الٰہی! رہے حق کا پرچم بلند! — ہوں شرمندہ، حق جن کو ہو ناپسند

رہِ حق پہ جو زندگی میں چلا
ظہورؔ! اس کو فردوس میں گھر ملا

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

سوانح حیات مولانا اشرف علی تھانوی

از مولانا نور احمد صاحب ——— ضخامت ۹۴ صفحات
ناشر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ لسبیلہ چوک کراچی

لوگ مختلف قسم کی باطنی، روحانی امراض میں مبتلا ہیں بے چینی اور بے اطمینانی کا ہر آدمی شکار ہے۔ ان امراض کے لیے واحد علاج یہ ہے کہ لوگ اپنے اکابر و اسلاف کی سوانح حیات ان کی علمی و عملی طرز زندگی ان کی نقل و حرکت ان کے اخلاق و کردار اپنائیں اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

اس سلسلہ میں حکیم الامتؒ کی سوانح حیات ایک حکیم حاذق کی حیثیت رکھتی ہے اس عنوان پر بہت سے علماء نے لکھا ہے اور متعدد کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ بالخصوص حضرتؒ کی زندگی میں حضرت خواجہ مجذوب نے جو اشرف السوانح لکھی وہ سب سے زیادہ فائق اور مستند ہے پیش نظر کتاب میں مولانا نور احمد صاحب نے حضرت تھانویؒ کے مختصر حالات زندگی ان کے علمی اور عملی کارنامے اور انقلاب آفرین مختصر واقعات درج کرکے معاشرہ میں اصلاح کی کوشش کی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ ہے۔

مقامات مقدسہ اور اسلام کا اجتماعی نظام

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ——— صفحات ۶۰،
قیمت ۱۲۵ روپے۔
ناشر اشرف اکیڈمی، جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

امت مسلمہ میں علم و فضل کی حامل شخصیتوں کا ایک سلسلۃ الذہب ہے جو مختلف علوم و فنون میں کہکشاں کی رنگینیوں اور رعنائیوں سے مزین ہے۔ ان ہی تابناک اور تاریخ ساز شخصیات میں حکمت قاسمی کے امین اور ان کے علوم و معارف کے سب سے بڑے ترجمان حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی ذات گرامی تھی جو ماضی قریب میں اپنے نشاناتِ علم بیشمار تصانیف کی صورت میں چھوڑ کر اس عالم آب و گل سے رخصت ہوئی ہے۔

"مقامات مقدسہ" مکہ مکرمہ، قدس شریف اور طور سینا کی تقدیس، ان کی عالمی مرکزیت اور ان کی تقدیس کی بنیادیں، ان کے پھیلے ہوئے آثار اور ہم پر ان کے عائد شدہ حقوق و فرائض اور ان کی روشنی میں اسلام کے عالمگیر نظام کی تحریک اور اس کا تجزیہ، نقلی دلائل، عقلی شواہد اور طبعی تقاضوں کے تحت سیر حاصل بحث کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ مقامات مقدسہ کی مرکزیت سے کام لیے بغیر مسلمانوں کا موجودہ تنزل رفع

نہیں ہو سکتا اور نہ انہیں امن وسکون میسر آسکتا ہے برادر مکرم مولانا محمد اکرم کاشمیری نے اپنی سلیم الفطرتی اور حسن ذوق کی بنا پر پاکستان میں پہلی مرتبہ اشرف اکیڈمی کی جانب سے نہایت ہی شاندار اور عمدہ طور پر شائع کر کے علمی و دینی حلقوں پر احسان کیا ہے یقیناً اہل علم اور تاریخی و مطالعاتی ذوق رکھنے والے احباب کے لیے ایک عظیم نادر علمی تحفہ ہے۔

مناقب صحابہ کرامؓ

از حافظ محمد اقبال رنگونی ــــ صفحات ۲۲۴

ملنے کا پتہ: حافظ نور محمد انور، مکتبۃ الفاروق، سلطان پورہ روڈ لاہور

پیش نظر کتاب حضرات صحابہ کرام کے مناقب، ان کی عظمت شان اور تذکرہ و تاریخ سے بڑھ کر ان کی قرآنی شخصیات کے فضائل و محامد پر مشتمل مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، ۱۱ مضامین میں سے، مضامین کے مولف خود مرتب کتاب مولانا محمد اقبال صاحب ہیں ان کو اللہ نے رواں قلم، تحریر کی شگفتگی اور عشق صحابہ کی دولت سے نوازا ہے جو ان کی تحریر میں بھی چھلکتا نظر آتا ہے سلامت و روانی، علمی پختگی، استدلال اور تحقیقی رنگ اس پر مستزاد، بقیہ دس مقالات کے مضمون نگار مولانا عبدالستار ندوی، علامہ خالد محمود، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا قاری محمد طیب اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسے جلیل القدر اہل علم اور صاحبان فضل ہیں جن کا نام ہی مضمون کی ثقاہت کی ضمانت ہے کتابت متوسط، مضبوط ڈائی دار جلد اور مکتبۃ الفاروق لاہور کے جناب حافظ نور محمد انور کے ذوق طباعت کی آئینہ دار ہے۔

شہیدِ اسلام

از چوہدری عبدالحمید ــــ صفحات ۶۴۰ ــــ قیمت ۲۷۰ روپے

ناشر مکتبہ کاروان کچہری روڈ، لاہور

جناب چوہدری عبدالحمید صاحب نے شہید صدر ضیاء الحق سے متعلق بہت سے مضامین اور بعض معلومات، اس کتاب محبت مآب میں شامل کر دی ہیں۔ ان تحریروں کی بدولت بیسویں صدی کے اس عظیم شہید اسلام کی سیرت اور کردار کے بیشمار مثبت پہلو قارئین کے سامنے آگئے ہیں۔ ضیاء الحق کو اوطان اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شاہ فیصل کی شہادت کے بعد سربراہان عالم اسلام کی نگاہوں میں کو ایک طرح سے محوری حیثیت حاصل تھی۔ جبھی تو انہوں نے اسے اپنا واحد نمائندہ قرار دے کر یو این او میں بھیجا تھا۔ ضیاء الحق کا یہ شرف و افتخار امت اسلامیہ کے حوالے سے بے مثل ہے۔ ضیاء الحق کی بدولت اقوام متحدہ کی فضاؤں میں قرآن کریم کی ندائے حق گونجی۔ خدا ضیاء الحق کے درجات، فردوس بریں میں بلند کرے اور اسے اعظم شہداء کے حزب مقدس میں مقام عالی سے نوازے آمین

ایک امریکی مدیر مسٹر ولسن نے ریڈرز ڈائجسٹ امریکی ایڈیشن کے شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء میں شہید ضیاء الحق کی یاد میں لکھتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ بارہا امریکی حکومت نے جہاد افغانستان سے جان چھڑا لینے کا عندیہ ظاہر کیا کہ مبادا کہیں روس کے ساتھ براہ راست تصادم ہو جاتے مگر ہر بار ضیاء الحق آڑے آتا تھا اور ہر بار یقین دلاتا تھا کہ وہ

جنگ کو عالمی روپ اختیار نہیں کرنے دیگا۔ لہٰذا امریکہ بے فکر رہے۔ ضیاء الحق نے اپنی حکمت عملی کی صحت ہر بار منوالی اور جہاد افغانستان سے دستکش نہ ہوا۔ نہ امریکہ کو امداد بند کرنے کی نیت پر عمل کرنے دیا۔ یہ مسٹر ولسن، ریگن حکومت میں امریکی امداد کا سب سے اہم نگران تھا یہ امریکی مدبر تو یہاں تک کہتا کہ اس نے ضیاء الحق جیسا بہادر کسی فرد بشر کو نہیں دیکھا۔

آج امریکہ بے شک تسلیم نہ کرے، مگر روس کی قوت افغانستان میں ٹوٹی اور افغانستان میں روس کو طویل اور خون آشام جنگ ضیاء الحق کی بدولت لڑنا پڑی نتیجہ یہ کہ روس کی عسکری اعتبار سے ہٹی ہوئی اور اسے اقتصادی اعتبار سے بھی قلاش ہوجانا پڑا۔ گورباچوف نے دنیا کے "دولتمندان سبعہ" کے سامنے دست سوال دراز کیا تو اس کا ایک اہم سبب ضیاء الحق کی وہ عسکری حکمت عملی تھی جو اہل افغانستان کی قیادت کر رہی تھی۔ افغانستان میں روس کو الجھا کر ضیاء الحق نے پاکستان کو روسی یورش سے بچایا۔ لہٰذا تمام وہ اہل ایمان جن کو پاکستان سے محبت ہے شہید ضیاء الحق کے بخلوص خاطر شکر گزار ہیں۔ ضیاء الحق نے افغانستان کی پشت پناہی کر کے اسے روس کی ایک عاجز ریاست بن جانے سے بچایا۔ پھر روس کے ایسے پاؤں اکھڑے کہ سارا مشرقی یورپ اس کے چنگل سے آزاد ہوگیا، دیوار برلن گر گئی اور بچھڑے ہوئے مشرقی و مغربی جرمن متحد ہوگئے۔ نیز وسط ایشیا کے مسلمانوں کے حوصلے بہت ہی بلند ہو گئے۔ اصلی روس بنیادی طور پر ایک مسیحی ملک ہے۔ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اس کی پٹائی نے کمیونزم کا وقار مٹی میں ملا دیا۔ روسیوں پر ظاہر ہوگیا کہ کمیونزم نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی عقیدہ ہے نہ کوئی مذہب ہے۔ دین اسلام کی روح جہاد کے مقابل مذہب ہی کی روح کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ضیاء الحق نے فقط یہ نہیں کہ روس کو ہزیمت سے دوچار کیا، بلکہ اس نے دنیا بھر سے کمیونزم کا جنازہ اٹھوا دیا، نیز کمیونزم کے کرایہ دار پرستاروں کی طرف سے یہاں وہاں برپا ہوتی رہنے والی خونخوار سازشوں سے بھی دنیا آدم کو نجات دلا دی۔ اصحاب انصاف نے دنیا بھر میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ جنھوں نے اب تک اعتراف نہیں کیا وہ کل کریں گے۔ الغرض ضیاء الحق کی افغانستان کے جہاد میں کارفرما حکمت عملی نے روح جہاد کو پوری امت میں بیدار کیا، اسلام کی شان بلند کی، پاکستان کی عزت میں بے پناہ اضافہ کیا اور دنیا بھر کو کمیونزم کے یہودی آدم کش نسخے کے اثر سے نجات دلائی۔

یہی وہ بات تھی جو دین کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، چنانچہ اندرونی اور بیرونی دشمنان ملت نے وہی کچھ کر دکھایا جس پر عہد گذشتہ کی تاریخ اسلام گواہ ہے لیکن اتنا بڑا جہاد اور ایسی عظیم جہادی روح بیدار اب کامکاری کی منزل مراد پا کر ہی دم لیا۔

پیش نظر کتاب اس اجمال کی تفصیل اور اس متن کی شرح ہے مولف چودھری اور مکتبہ کارواں لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے عمدہ طباعت، بہترین کاغذ اور شاندار اشاعت کی روایت قائم کر دی ہے۔

داخلہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد

کے درج ذیل شعبوں میں داخلہ شروع ہے۔ (۱) پرائمری پاس طلبہ کے لیے المتوسط (۲) المتوسط پاس طلبہ کے لیے الثانویہ (۳) الثانویہ پاس طلبہ کے لیے العالمیہ (۴) العالمیہ پاس طلبہ کے لیے الفضیلہ ـــ

مڈل اور میٹرک طلبہ کے لیے خصوصی شعبہ کا اہتمام

علاوہ ازیں شعبہ حفظ و تجوید

امتیازی خصوصیات

مکمل دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدینہ یونیورسٹی سے جاری معادلہ کے علاوہ • بی اے تک سکول و کالج کی تعلیم کا اہتمام • یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے جامعہ ہذا کی شہادۃ العالمیۃ ایم اے عربی کے مساوی تسلیم شدہ • بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد سے معادلہ کی بناء پر یونیورسٹی میں داخلہ کی سہولت، • قیام، طعام، تعلیم بالکل مفت • حسب استعداد صلاحیت و ضرورت ماہوار وظائف

طبیب بنئے میٹرک پاس یا دینی مدارس کے فاضل حضرات کے علاوہ ثانویہ، موقوف علیہ کے مستند حضرات جامعہ طبیہ اسلامیہ میں داخلہ حاصل کریں۔ طب اسلامی کو خدمت خلق اور معیشت کا ذریعہ بنائیں اور دینی علوم سے بہرہ ور ہو کر دعوت الٰی اور قرآن و سنت کے معلم بنیں

دینی طلبہ کے لیے داخلہ کی درخواستیں مع فوٹو سٹیٹ اسناد اور اخلاقی سرٹیفکیٹ فوراً پہنچ جانے چاہئیں "پہلے درخواست، پہلے داخلہ" کی بنیاد پر ہوگا۔ درخواست پر والد یا سرپرست کے دستخط ضروری ہیں۔ داخلہ کے وقت سرپرست کا ہمراہ آنا ضروری ہوگا۔

عبدالرحیم اشرف، جامعہ تعلیمات اسلامیہ، سرگودھا روڈ، فیصل آباد۔ فون ۲۳۰۲۱ / ۵۰۳۸۲